امام جعفر صادق (ع) اور مسئلہ خلافت

<"xml encoding="UTF-8?>

امام جعفر صادق (ع) اور مسئلہ خلافت

پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) کا دور امامت بنی امیہ کی حکومت کے آخری ایام اور بنی عباس کے اوائل اقتدار میں شروع ہوتا ہے۔

سیاسی اعتبار سے امام (ع) کے لئے بہترین موقعہ ہاتھ میں آیا۔ بنی عباس نے تو اس موقعہ پر بھر پور طریقے سے فائدہ اٹھا لیا۔ امام (ع) نے ان سنہری لمحوں سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟ بنی امیہ کا اقتدار زوال پذیر تھا۔ عربوں اور ایرانیوں، دینی اور غیر دینی حلقوں میں بنی امیہ کے بارے میں شدید ترین مخالفت وجود میں آ چکی تھی۔ دینی حلقوں میں مخالفت کی وجہ ان کا علانیہ طور گناہوں کا ارتکاب کرنا تھا۔ دیندار طبقہ کے نزدیک بنی امیہ فاسق و فاجر اور نالائق لوگ تھے؟ اس کے علاوہ انھوں نے بزرگان اسلام اور دیگر دینی شخصیات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ انتہائی قابل مذمت اور لائق نفرت تھے۔ اس طرح کی کئی مخالف وجوہات نفرت واختلاف کا باعث بن چکی تھیں" خاص طور پر امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے بنی امیہ کے ناپاك اقتدار کو خاك میں ملا دیا۔ پھر رہی سہی کسر جناب زید بن علی ابن الحسین اور یحیی بن زید کے انقلابات نے نکال دی۔ مذہبی اور دینی اعتبار سے ان کا اثر و رسوخ بالکل ناپید ہو گیا تھا۔ بنی امیہ علانیہ طور پر فسق و فجور کے مرتکب ہوئے تھے، عیاشی اور شرابخوری میں تو انھوں نے بڑے بڑے رنگین مزاج حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور ان کو لا دین عناصر سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ کچھ حکران ظلم و ستم کے حوالے سے بہت ظالم وسفاك شمار کیے جاتے تھے ان میں ایك نام سلاطین بنی امیہ کا ہے۔ عراق میں

حجاج بن یوسف اور خراسان میں چند حکمرانوں نے ایرانی عوام پر مظالم ڈھائے۔ وہ لوگ بنی امیہ کے مظالم کو ان مظالم کا سر چشمہ قرار دیتے تھے۔ اس لئے شروع ہی سے اسلام اور خلافت میں تفریق قائم کی گئی خاص طور پر علویوں کی تحریك خراسان میں غیر معمولی طور پر مؤثر ثابت ہوئی ۔ اگر چہ یہ انقلابی لوگ خود تو شہید ہو گئے لیکن ان کے خیالات اور ان کی تحریکوں نے مردہ قوموں میں جان ڈال دی۔ اور ان کے نتائج لوگوں پر بہت اچھے مرتب ہوئے۔

جناب زید بن زین العابدین (ع) نے کوفہ کی حدود میں انقلاب برپا کیا وہاں کے لوگوں نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور آپ کی بیعت کی، لیکن چند افراد کے سوا کوفیوں نے آپ کے ساتھ وفا نہ کی، جس کی وجہ سے اس عظیم بہادر و جری نوجوان کو بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ان ظالموں نے آپ کی قبر پر دو مرتبہ پانی چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کو آپ کی قبر مبارک کے بارے میں پتہ نہ چل سکے، لیکن وہ چند دنوں کے بعد پھر آئے قبر کو کھود کر جناب زید کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور کچھ دنوں تک اسی حالت میں لٹکتی رہی اور کہا پر وہ لاش خشك ہو گئی۔ کہا جاتا ھے کہ جناب زید کی لاش چار سالوں تك سولی پر لٹکتی رہی۔ جناب زید کا ایك انقلابی بیٹا تھا ان کا نام یحیی تھا۔ انھوں نے انقلاب برپا کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور خراسان چلے گئے۔ پھر جناب یحیی بنی امیہ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی چلی گئی۔ آپ کی شہادت کے بعد خراسان کے عوام کو پتہ چلا کہ خاندان رسالت کے ان نوجوانوں نے ایك ظالم حکومت کے خلاف جہاد کیا اور خود اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس زمانے میں خبریں بہت دیر سے پہنچا کرتی تھیں۔ جناب یحیی نے امام حسین علیہ السلام اور جناب زید کی شہادت کو از سر نو زندہ کر دیا۔ لوگوں کو بعد میں پتہ چلا کہ آل محمد (ص) نے بنی امیہ کے خلاف کس پاکیزہ مقصد کے تحت قیام کیا تھا۔

مورخین لکھتے ھیں جب جناب یحیی شہید ہوئے تو خراسان کے عوام نے ستر روز تك سوگ منایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے انقلابی سوچ رکھنے والے لوگوں کا اثر پہلے ہی سے تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے لوگوں کے اذہان میں انقلابی اثرات گھر کرتے جاتے ہیں۔ ایک انقلابی اپنے اندر کئی انقلاب رکھتا ہے۔ بہر حال خراسان کی سرزمین ایک بڑے انقلاب کیلئے سازگار ہو گئی۔ لوگ بنی امیہ کے خلاف کھلے عام نفرت کرنے لگے۔

بنی امیہ کے خلاف عوامی رد عمل اور بنی عباس:

نے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو خوب مستحکم و مضبوط کیا، یہ تین بھائی تھے ان کے نام یہ ہیں۔ ابراہیم امام، ابو العباس سفاح اور ابو جعفر منصور یہ تینوں عباس بن عبد المطلب کی اولاد سے ہیں۔ یہ عبد اللہ کے بیٹے تھے۔ عبد اللہ بن عباس کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہوتا ہے۔ اس کا علی نام سے ایک بیٹا تھا۔ اور علی کے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا" پھر عبد اللہ کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم، ابو العباس سفاح اور ابو جعفر، یہ تینوں بہت ہی با صلاحیت، قابل ترین افراد تھے۔ ان تینوں بھائیوں نے بنی امیہ کے آخری دور حکومت میں بھر پور طریقے سے فائدہ اٹھایا۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے خفیہ طور پر مبلغین کی ایک جماعت تیار کی اور پس پردہ انقلابی پروگرام تشکیل دینے میں شب و روز مصروف رہے۔ اور خود حجاز و عراق اور شام میں چھپے رہے، ان کے نمائندے اطراف و اکناف میں پھیل کر امویوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے، خاص طور پر خراسان میں ایک عجیب قسم کا ماحول بن چکا تھا۔ لیکن ان کی تحریك کا پس منظر منفی تھا یہ کسی

اچھے انسان کو اپنے ساتھ نہ ملاتے۔ یہ آل محمد (ص) کے گھرانے میں صرف ایک شخصیت کا نام استعمال کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے۔ اس سے معلوم ھوا کہ عوام کی توجہ کا مرکز آل محمد (ص) ہی تھے۔ ان عباسیوں نے ایك کھیل کھیلا کہ ابو مسلم خراسانی کا نام استعمال کیا اس سے ان کا مقصد ایرانی عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔

وہ قومی تعصب پھیلا کر بھی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے، وقت کی قلت کے پیش نظر میں اس مسئلہ پر مزید روشنی نہیں ڈالنا چاہتا، البتہ میرے اس مدعا پر تاریخی شواہد ضرور موجود ہیں۔ ان کو بھی لوگ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن بنی امیہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ ان کو اقتدار پر لے آنا چاہتے تھے۔ بنی امیہ ہر لحاظ سے اپنا مقام کھو چکے تھے، اگر چہ بنی امیہ ظاہری طور پر خود کو مسلمان کہلواتے تھے۔ لیکن ان کا اسلام سے دور تك واسطہ نہ تھا۔ خراسان میں ان کا اثر و رسوخ بالکل نہ تھا کہ لوگوں کو اس وقت کی حکومت کے خلاف اکٹھا کر سکیں اور خراسان کی فضا میں ایك خاص قسم کا تلاطم پیدا ہو چکا تھا، اگر چہ یہ لوگ چاہتے تھے کہ خلافت اور اسلام ہر دونوں کو اپنے پروگرام سے خارج کر دیں، لیکن نہ کرسکے، اور یہ اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کی ترقی کا نام استعمال کر کے آگے بڑھتے گئے اور سال 129کے پہلے دن مرو کے ایک قصبے"سفید نج" میں اپنے قیام کا رسمی طور پر اعلان کیا۔ عید الفطر کا دن تھا۔ نماز عید کے بعد اس انقلاب کا اعلان کیا گیا، انھوں نے اپنے پرچم پر اس آیت کو تحریر کیا اور اسی آیہ کو اپنے انقلابی اھداف کا ماٹو قرار دیا:

"اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر" حج، ٣٩.

جن (مسلمانوں) سے (کفار) لڑا کرتے تھے چونکہ وہ (بہت) ستائے گئے اس وجہ سے انھیں بھی (جہادکی) اجازت دے دی گئی اور خدا تو ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر (و توانا) ہے۔

پھر انھوں نے سورہ حجرات کی آیہ نمبر 13 کو اپنے منشور میں شامل کیا ارشاد خداوندی ہے:

یا ایھاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔

لوگو ہم نے تو سب کو ایك مرد اور ایك عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایك دوسرے کو شناخت کر سکیں اس میں شك نہیں کہ خدا کے نزدیك تم سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو۔"

اس آیت سے بنی نوع انسان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اسلام اگر کسی کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اس کا متقی ہونا ہے۔ چونکہ اموی خاندان عربوں کو غیر عربوں پر ترجیح دیتے تھے اسلام نے ان کے اس نظریہ کی نفی کر کے ایك بار پھر اپنے دستور کی تائید کی ہے کہ خاندانی و جاہت، مالی آسودگی کو باعث فخر سمجھنے والو! تقوی ہی معیار انسانیت ہے۔

ایک حدیث ہے اور اس کو میں نے کتاب اسلام اور ایران کا تقابلی جائزہ میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا ہے یا ایک صحابی نے نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سفید رنگ کے گوسفند کالے رنگ کے

گوسفند میں داخل ہو گئے اور یہ ایک دوسرے سے ملے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی اولاد پیدا ہوئی ہے۔ پیغمبر اکرم (ص) نے اس خواب کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی کہ عجمی اسلام میں تمھارے ساتھ شرکت کریں گے، اور آپ لوگوں میں شادیاں کریں گے۔ آپ کی عورتیں ان کے مردوں اور ان کی عورتیں آپ کے مردوں کے ساتھ بیاہی جائیں گی۔ یعنی آپ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رشتے کریں گے۔ میں نے اس جملہ سے یہ سمجھا کہ آپ (ص) نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک روز تم عجم کے ساتھ اور عجم تمھارے ساتھ اسلام کی خاطر جنگ کریں گے یعنی ایک روز تم عجم کے ساتھ جنگ کر کے انھیں مسلمان کریں گے اور ایک روز عجم تمھارے ساتھ لڑیں گے اور تمھیں اسلام کی طرف لوٹائیں گے اس حدیث کا مفھوم یھی ھے کہ اس قسم کا انقلاب آئے گا۔

بنی عباس انتھائی مضبوط پروگرام اور ٹھوس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے تحریک کو پروان چڑھا رھے تھے۔ ان کا طریقہ کار بہت عمدہ اور منظم تھا انھوں نے ابو مسلم کو خراسان اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے بھیجا تھا۔ وہ یہ ہر گز نہیں چاہتے تھے کہ انقلاب ابو مسلم کے نام پر کامیاب ہو بلکہ انھوں نے چند مبلغوں کو خراسان بھیجا کہ جا کر لوگوں میں اچھے انداز میں تقریریں کر کے عوام کو امویوں کے خلاف اور عباسیوں کے حق میں جمع کریں۔ ابو مسلم کے نسب کے بارے میں آج تك معلوم نہیں ہو سکا تاریخ میں تو یہاں تک بھی پتہ نہیں ہے کہ ابو مسلم ایرانی تھے یا عربی؟ پھر اگر ایرانی تھے تو پھر کیا اصفھانی تھے یا خراسانی؟ وہ ایک غلام تھا اس کی عمر 24برس کی تھی کہ ابراہیم امام نے اس غیر معمولی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس کو تبلیغ کے لئے خراسان روانہ کیا تا کہ وہ خراسان کے عوام کے اندر ایک انقلاب برپا کر دے۔ اس نوجوان میں قائدانہ صلاحیتیں بھر پور طریقے سے موجود تھیں۔ یہ شخص سیاسی لحاظ سے تو خاصا با صلاحیت تھا لیکن حقیقت میں بہت برا انسان تھا۔ اس میں انسانیت کی بوتك نہ آتی تھی۔ ابو مسلم حجاج بن یوسف کی مانند تھا، اگر عرب حجاج پر فخر کرتے ہیں تو ہم بھی ابو مسلم پر فخر کرتے ہیں۔

حجاج بہت ہی زیرک اور ہوشیار انسان تھا۔ اس میں قائدانہ صلاحتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، لیکن وہ انسانیت کے حوالے سے بہت ہی پست اور کمینہ شخص تھا۔ اس نے اپنے زمانہ اقتدار میں بیس ہزار آدمی قتل کیے اور ابو مسلم کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے چھ لاکھ آدمی قتل کیے۔ اس نے معمولی بات پر اپنے قریبی دوستوں کو بھی موت کے گھاٹ اتاردیا اور اس نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ ایرانی ہے یا عربی کہ ہم کہہ سکیں کہ وہ قومی تعصب رکھتا تھا۔

میں نہیں سمجھتا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس تحریك میں کسی قسم کی مداخلت کی ہو، لیکن بنو عباس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کا یہ نعرہ تھا کہ وہ بنی امیہ سے خلافت ہر صورت میں لے کر رہیں گے۔ اس کیلئے وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ بنو عباس کے پاس دو اشخاص ایسے ہیں کہ جو شروع سے لے کر آخر تك تحریك عباسیہ کی قیادت کرتے رہے۔ ایک عراق میں تھا اور وہ پس پردہ کام کر رہا تھا اور دوسرا خراسان میں، اور جو کوفہ میں تھا وہ تاریخ میں ابو سلمہ خلال کے نام سے مشہورہے اور جو خراسان میں تھا اس کا نام ابو مسلم ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس کو بنی عباس نے خراسان روانہ کیا اور اس نے بہت کم مدت میں بے شمار کامیابیاں سمیٹیں۔ ابو سلمہ کی حیثیت صدر اور ابو مسلم کی ایك وزیر کی تھی۔ یہ پڑھا لکھاشخص، سمجھدار سیاستدان اور بہترین منتظم تھا۔ گفتگو کرتے وقت دوسروں کو متأثر کر دیتا۔ یھی وجہ ہے کہ ابو مسلم ابو سلمہ سے حسد کرتا تھا۔ جب اس

نے خراسان میں اپنی تحریک کا آغاز کیا تو ابو سلمہ کو درمیان سے ہٹا دیا اور ابو عباس سفاح کے نام ابو سلمہ کےخلاف ڈھیر سارے خط لکھ ڈالے، اور اس کو خطر ناك شخص کے طور پر متعارف کروایا اور کہا کہ اس کو تحریك سے خارج کر دیجئے۔ اس نے اسی قسم کے خطوط بنی عباس کے مختلف اشخاص کی طرف ارسال کیے۔

لیکن سفاح نےاس کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ مخلصانہ طویل خدمات کے صلے میں ابو سلمہ کےخلاف کسی قسم کا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ پھر اعتراض کرنے والوں نے سفاح سے شکایت کی کہ ابو سلمہ اندر سے کچھ ہے اور باہر سے کچھ اور، وہ چاہتاہے کہ آل عباس سے خلافت لے کر آل ابی طالب (ع) کے حوالے کرے۔ یہ سن کر سفاح نے کہا مجھ پر اس قسم کے الزام کی حقیقت ثابت نہ ہو سکی اگر ابو سلمہ اس طرح کی سوچ رکھتا ھے کہ وہ ایك انسان کی حیثیت سے اس طرح کی غلطی کر سکتا ھے۔ وہ ابو سلمہ کے خلاف جتنی بھی کوششیں کرتا تھا کار گر ثابت نہ ہوتی تھیں۔ کیونکہ ابو سفاح ابو سلمہ اس کو کسی نہ کسی حوالے سے نقصان دے سکتا ہے۔ اس لئے اس نے اس کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ ابو سلمہ کی عادت تھی کہ وہ سفاح کے ساتھ رات گئے تك رہتا وہ دونوں ایك دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ایك رات وہ سفاح سے ملاقات کر کے واپس آ رہا تھا کہ ابو مسلم کے ساتھیوں اس کو قتل کر دیا۔ چونکہ سفاح کے کچھ آدمی اس قتل میں شریك تھے اس لئے ابو سلمہ کا خون کسی شمار میں نہ آ سکا۔ یہ واقعہ سفاح کے اقتدار کے ابتدائی دنوں میں پیش آیا۔ اس سانحہ کی کچھ وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ان میں کچھ محرکات یہ بھی ہیں۔

ابو سلمہ کا خط امام جعفر صادق (ع) اور عبد اللہ محض کے نام:

مشہور مورخ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ ابو سلمہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس فکر میں مستغرق رہتا تھا کہ خلافت آل عباس سے لے کر آل ابی طالب (ع) کے حوالے کرے۔ اگر چہ وہ شروع میں آل عباس کیلئے کام کرتا رہا۔132ھ میں جب بنی عباس نے رسمی طور پر اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اس وقت ابراہیم امام شام کے علاقہ میں کام کرتا تھا لیکن وہ منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ وہ بھائیوں میں سے بڑا تھا۔ اس لئے اس کی خواہش تھی کہ وہ خلیفہ وقت بنے لیکن وہ بنی امیہ کے آخری دور میں خلیفہ مروان بن محمد کے ہتھے چڑھ گیا اور اس کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اس کے خفیہ ٹھکانے کا کسی کو پتہ چل گیا تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایك وصیت نامہ لکھ کر مقامی کسان کے ذریعے اپنے بھائیوں کو بھجوایا۔ وہ کوفہ کے نواحی قصبے حمیمہ میں مقیم تھے، اس نے اس وصیت نامے میں اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں اپنی حالیہ پالیسی کے بارے میں اعلان کیا اور اپنا جانشین مقرر کیا اور اس میں اس نے یہ لکھا کہ اگر میں آپ لوگوں سے جدا ہو گیا تو میرا جانشین سفاح ہو گا (سفاح منصور سے چھوٹا تھا) اس نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوفہ چلے جائیں اور کسی خفیہ مکان میں جاکر پناہ لیں اور انقلاب کا وقت قریب ہے۔ اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کا خط اس کے بھائیوں کے پاس پہنچایا گیا۔ وہ وہاں سے چھپتے چھپاتے کوفہ چلے آئے اور ایك لمبے عرصے تك وہیں پہ مقیم رہے۔ ابو سلمہ بھی کوفہ میں چھپا ہوا تھا اور تحریك کی قیات کررہا تھا دو تین مہینوں کے اندر اندر یہ لوگ رسمی طور پر ظاہر ہوئے اور جنگ کر کے بہت بڑی فتح حاصل کی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس انقلاب کے بعد ابراہیم امام کو قتل کردیا گیا۔ حکومت سفاح کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس واقعہ کے بعد ابو سلمہ کو پریشانی لاحق ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ خلافت کیوں نہ آل عباس سے لے کر آل ابو طالب کے حوالے کی جائے۔ اس نے دو علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے ایك خط امام جعفر صادق علیہ السلام کی

خدمت میں روانہ کیا اور دوسرا خط عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (ع) کے نام ارسال کیا۔ (حضرت امام حسن (ع) کے ایک بیٹے کا نام حسن تھا جسے حسن مثنی سے یاد کیا جاتا ہے یعنی دوسرے حسن، حسن مثنی کربلا میں شریك جہاد ہوئے ہوئے لیکن زخمی ہوئے اور درجئہ شہادت پر فائز نہ ہو سکے۔

اس جنگ میں ان کی ماں کی طرف سے ایک رشتہ داران کے پاس آیا اور عبید اللہ ابن زیاد سے سفارش کی کہ ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ حسن مثنیٰ نے اپنا علاج معالجہ کرایا اور صحت یاب ہو گئے۔ ان کے دو صاجزادے تھے ایک کانام عبد اللہ تھا۔ عبد اللہ ماں کے لحاظ سے امام حسین علیہ السلام کے نواسے تھے اور باپ کی طرف سے امام حسن علیہ السلام کے پوتے تھے۔ آپ دو طریقوں سے فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں دو حوالوں سے پیغمبر اسلام (ص) کا بیٹا ہوں۔ اسی وجہ سے ان کو عبد اللہ محض کہا جاتا تھا۔ یعنی خالصتاً اولاد پیغمبر، عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں اولاد امام حسن علیہ السلام کے سربراہ تھے، جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اولاد امام حسین علیہ السلام کے سربراہ تھے۔

ابو سلمہ نے ایک شخص کے ذریعہ سے یہ دو خطوط روانہ کیے، اور اس کو تاکید کی کہ اس کی خبر کسی کو بھی نہ ہو۔ خط کا خلاصہ یہ تھا کہ خلافت میرے ہاتھ میں ہے۔ خراسان بھی میرے پاس ہے اور کوفہ پر بھی میرا کنٹرول ھے، اور اب تك میری ہی وجہ سے خلافت بنی عباس کو ملی ہے۔ اگر آپ حضرات راضی ہوں تو میں حالات کو پلٹ دیتا ہوں یعنی وہ خلافت آپ کو دے دیتا ہوں۔

امام صادق (ع) اور عبداللہ محض کا رد عمل:

قاصد وہ خط سب سے پہلے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے آیا۔ رات کی تاریکی چھا چکی تھی۔ اس کے بعد عبد اللہ محض کو ابو سلمہ کا خط پہنچایا گیا۔ جب اس نے یہ خط حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو عرض کی مولا یہ خط آپ کے ماننے والے ابو سلمہ کا ہے۔ حضرت نے فرمایا ابو سلمہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔ قاصد نے کہا آپ مجھے ہر صورت میں جواب سے نوازیں۔آپ نے چراغ منگوایا آپ نے ابو سلمہ کا خط نہ پڑھا اور اس کے سامنے وہ خط پھاڑ کر جلا دیا اور فرمایا اپنے دوست (ابو سلمہ) سے کہنا کہ اس کا جواب یھی ہے اس کے بعد حضرت نے یہ شعر پڑھا

ایا موقدانارا لغیرك ضوءھا

یا حاطبافی غیر حبلك تحطب

یعنی آگ روشن کرنے والے اور، اس کی روشنی سے دوسرے مستفید ہوں۔ اے وہ کہ جو صحرا میں لکڑیاں اکٹھی کرتا ہے اور تو خیال کرتا ھے کہ یہ تو اپنی رسی میں ڈالی ہیں تجھے یہ خبر نہیں ہے تو نے جتنی بھی لکڑیاں جمع کی ہیں اس کو تیرے دشمن اٹھا کر لے جائیں گے۔"

اس شعر سے حضرت کا مقصد یہ تھا کہ ایک شخص محنت کرتا ہے لیکن اس کی محنت سے استفادہ دوسرے لوگ کرتے ہیں گویا آپ کہہ رہے تھے کہ ابو سلمہ بھی کتنا بد بخت شخص ہے کہ اس نے حکومت کی تشکیل دینے کیلئے بہت زیادہ محنت کی ہے لیکن اس سے فائدہ دوسروں نے اٹھایا ہے یا اس شعر کا مطلب یہ تھا کہ

اگر ہم خلافت کے لئے محنت کرتے ہیں اور وہ نااہل ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔

کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے حضرت نے خط کو جلا دیا اور اس قاصد کو جواب نہ دیا ابو سلمہ کا قاصد وہاں سے اٹھا اور عبد اللہ محض کے پاس آیا اور ان کو ابو سلمہ کا خط دیا۔ عبد اللہ خط کو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ عبد اللہ صبح ہوتے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے در دولت پر آئے۔ امام علیہ السلام نے ان کا احترام کیا، حضرت جانتے تھے کہ عبد اللہ کے آنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا لگتا ہے کہ آپ کوئی نئی خبر لے کر آئے ہیں۔ عبد اللہ نے عرض کی جی ہاں ایسی خبر کہ جس کی تعریف و توصیف بیان نہ کی جاسکے۔ (نعم هو اجل من ان يوصف) یہ خط ابو سلمہ نے مجھے بھیجاہے انھوں نے اس خط میں تحریر کیا ہے کہ خراسان کے تمام شیعہ اس بات پر مکمل طور پر تیارہیں کہ خلافت و ولایت ہمارے سپرد کردیں۔ انھوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ان کی یہ پیشکش قبول کر لوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ومتى كان اهل خراسان شيعة لك؟"

خراسان والے آپ کے شیعہ کب بنے ہیں؟"

انت بعثت ابا مسلم الى خراسان؟"

کیا آپ نے ابو مسلم کو خراسان بھیجا ہے؟"

آپ نے خراسان والوں سے کہا ہے کہ وہ سیاہ لباس پہنیں اور ماتمی لباس کو اپنا شعار بنائیں۔ کیا یہ خراسان سے آئے ہیں یالائے گئے ہیں؟تم تو ایك آدمی کو بھی نہیں پہچانتے؟ امام علیہ السلام کی باتیں سن کر عبد اللہ ناراض ہو گئے۔ انسان جب کوئی چیز پسند کرے اور اس کی خوشخبری سننے کے بعد کوئی اور بات سننا گوار نہیں کرتا۔ گویا یہ انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق سے بحث کرنی شروع کردی اور حضرت سے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں:

"انما يريد القوم ابنى محمدا لانه مهدى هذه الامة"

یہ میرے بیٹے محمد کو خلافت دینا چاہتے ہیں آُپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اس امت کا امام مھدی آپ کا بیٹا محمد نہیں ہے اگر اس نے قیام کیا تو قتل کیا جائے گا۔ یہ سن کر عبد اللہ اظہار ناراضگی کرتے ہوئے بولا آپ خواہ مخواہ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا بخداہم تمہاری خیر خواہی اور بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔ آپ کا مقصد کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بخدا ابو سلمہ نے بالکل اسی طرح کا خط ہماری طرف بھی روانہ کیا ہے لیکن ہم نے پڑھنے کی بجائے اس کو آگ میں جلا دیا۔ عبد اللہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ ان حالات کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت سیاسی فضا کس قدر مکدر تھی، بنی عباس کی تحریك کامیاب ہوتی ہے؟ ابو مسلم اس وقت خاصا فعال ہوتاہے۔ اور وہ ابو سلمہ جیسے انقلابی شخص کو قتل کرا دیتا ہے۔ سفاح بھی اس کی حمایت کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ ابو سلمہ کا قاصد ابھی مدینہ سے کوفہ نہ پہنچا تھا کہ ابو سلمہ قتل ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عبداللہ

محض کا جواب ابو سلمہ کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکا۔

ایک تحقیق:

اس واقعہ کو جس خوبی کے ساتھ مسعودی نے لکھا ہے اتنا اور کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ میرے نزدیک ابو سلمہ کا مسئلہ بہت واضح ہے کہ وہ شخص سیاستدان تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شیعوں میں ہر گز نہ تھا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ ایک مرتبہ آل عباس کیلئے کام کرتا ہے اور دوسری مرتبہ وہ اپنی پالیسی بدل لیتا ہے۔ دراصل عوام کی اکثریت یہ نہیں چاہتی تھی کہ خلافت خاندان رسالت سے باہر کسی دوسرے شخص کے پاس جائے۔ آل ابی طالب میں دو شخصیات اہم شمار کی جاتی تھیں ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے جناب عبد اللہ محض، ابو سلمہ ان دونوں شخصیات کے ساتھ دینداری اور خلوص کی وجہ سے یہ کام نہیں کر رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ خلافت بدلنے سے اس کے ذاتی مفادات محفوظ رہیں۔ ابھی اس کو امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ محض کی طرف سے جواب موصول نہ ہوا تھا کہ ابو سلمہ قتل ہو گیا۔ جب میں یہ بات کرتے ہوئے لوگوں کو سنتا ہوں تو مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو سلمہ کے خط کا جواب کیوں نہیں دیا تھا اور اس کی دعوت قبول کیوں نہیں کی تھی؟ اسکا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی حالات سازگار نہ تھے۔

صورت حال نہ روحانی لحاظ سے اچھی تھی اور نہ ظاهری لحاظ سے بہتر تھی بلکہ امام علیہ السلام نے جو بھی اقدامات کیے وہ حقیقت پر مبنی تھے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے شروع ہی سے بنی عباس کی کسی قسم کی حمایت نہیں کی۔ دراصل آپ نہ امویوں کے حق میں تھے اور نہ عباسیوں کے حق میں۔ یہ دو خاندان اور موروثی حکمران ذاتی مفاد کے علاوہ کوئی سوچ نہ رکھتے تھے۔ ہم نے کتاب الفرج اصفہانی سے استفادہ کیا۔ اس سلسلے میں جتنی ابو الفرج نے تفصیل لکھی ہے اتنا اور کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ ابو الفرج اموی مورخ تھے۔ اور سنی المذہب تھے ان کو اصفہان میں سکونت رکھنے کی وجہ سے اصفہانی کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ اصفہانی نہ تھے بلکہ اموی تھے اگر چہ یہ اموی مورخ تھے لیکن انھوں نے تاریخ نویسی میں اعتدال قائم رکھا اس لئے جناب شیخ مفید (رح) نے اپنی کتاب ارشاد میں ابو الفرج سے روایات نقل کی ہیں۔

ہاشمی رہنماؤں کی خفیہ میٹنگ:

در اصل بات یہ ہے کہ شروع میں یہ طے پایا تھا کہ امویوں کے خلاف تحریک شروع کی جائے۔ بنی ہاشم کے سرکردہ لیڈر ابواء مقام پر جمع ہو گئے تھے۔ یہ مقام مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ (ابواء یہ ایک تاریخ جگہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں پیغمبر اکرم (ص) کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا تھا۔) حضور (ص) پاك کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی بی بی اپنے اس عظیم صاجزادے کو اپنے ہمراہ لائی تھیں۔ حضرت آمنہ کے رشتہ دار مدینہ میں آباد تھے۔ اس لئے حضور پاك مدینہ والوں کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتے تھے۔ بی بی مدینہ سے ہو کر واپس مکہ جا رہی تھیں کہ راستہ میں مریض ہوئیں اور وہیں پر انتقال فرمایا اس جگہ کو مورخین نے ابواء کے نام سے یاد کیا هے۔ حضور پاك (ص) اپنی ماں کی کنیز خاص بی بی ام ایمن کے ساتھ مدینہ چلے گئے اور آپ کی والدہ ماجدہ کو ابواء ہی میں سپرد خاك کیا گیا۔ آپ نے عالم غربت میں اپنی عظیم ماں کی المناك

رحلت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عمر بھر آپ اس غم کو نہ بھلا سکے۔ یھی وجہ ہے کہ آپ 53 سال کی عمر میں مدینہ واپس لوٹ آئے اور اپنی زندگی کے آخری دس سال مدینہ ہی میں گزارے۔ آپ ایك موقعہ پر اثناء سفر میں ابواء نامی جگہ سے گزرے تو آپ چند لمحوں کیلئے اپنے صحابہ سے جدا ھو گئے اور ایك خاص جگہ پر رك گئے ۔ دعا پڑھی اس کے بعد زار و قطار رونے لگے۔ صحابہ کرام نے تعجب کیا کہ حضور پاك (ص) رونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری والد ماجدہ کی قبر اطہر ہے۔ آج سے پچاس سال قبل جب میں پانچ سالہ بچہ تھا تو یھیں پر والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا۔ آپ پچاس سالوں کے بعد اس مقام پر گئے اور دعا پڑھی اور اس کے بعد اپنی انتہائی عزیز ترین ماں کی یاد میں بہت ہی زیادہ روئے"۔ چناچہ ابواء کے مقام پر ہونے والی خفیہ میٹنگ میں اولاد امام حسن (ع) عبد اللہ محض اور آپ کے دونوں صاجزادے محمد و ابراہیم موجود تھے۔ اسی طرح بنی عباس کی نمائندگی کرتے ہوئے ابراہیم امام، ابو العباس سفاح، ابو جعفر منصور اور ان کے چند بزرگوں نے شرکت کی۔ اس وقت عبد اللہ محض نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اے بنی ہاشم! اس وقت لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور عوام کی آپ سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یھاں پر اکٹھے ہونے کا موقعہ بخشا ہے لہذا سب مل جل کر اس نوجوان (عبداللہ محض کے بیٹے) کی بیعت کریں۔ ان کو اپنی تحریك کا قائد منتخب کریں۔ اور امویوں کے خلاف وسیع پیمانے پر جنگ کا آغاز کریں۔ یہ واقعہ ابو سلمہ کے واقعات سے پہلے کا ہے۔ تقریباً انقلاب خراسان سے بارہ سال قبل۔ اس وقت اولاد امام حسن علیہ السلام اور بنو عباس کی مشترکہ خواہش تھی کہ وہ ایك دوسرے کے ساتھ متحد ہو کر امویوں کا مقابلہ کریں۔

محمد نفس زکیہ کی بیعت:

بنی عباس کا شروع سے یہی پروگرام تھا کہ وہ آل علی علیہ السلا میں ایسے نوجوان کو اپنے ساتھ ملائے رکھیں کہ جو لوگوں میں مقبول ہو اور لوگ اس کی وجہ سے ایك پلیٹ فارم پر جمع ھو سکتے ہوں۔ جب ان کی تحریك کامیاب ھو جائے گی تو اس نوجوان کو درمیان میں سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس کام کیلئے انھوں نے محمد نفس زکیہ کو منتخب کیا ۔ محمد جناب عبد اللہ محض کے صاحبزادے تھے ۔ عبد اللہ بہت ہی متقی اور پرھیز گار اور انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالك تھے۔ ان کا بیٹا محمد کردار و گفتار اور شکل و صورت میں ھو بھو اپنے باپ کی تصویر تھا۔ اسلامی روایات میں ھے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ھے تو اولاد پیغمبر (ص) میں سے ایك نوجوان ظاھر ھوتا ھے اور اپنے جد امجد کی طرح اسی کا نام بھی محمد ھو گا اسی طرح اسلامی تحریکیں چلتی رہیں گی اور اولاد زھرا (ع) میں سے ایك سید زادہ انقلابی جد وجھد کی قیادت کرتا رھے گا۔ اولاد امام حسن علیہ السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ھوا کہ امت کا مہدی یھی محمد ھے۔ بنو عباس کے نزدیك بھی یھی محمد مھدی کے طور پر نمودار ھوئے تھے۔ یہ بھی ھو سکتا ھے کہ انھوں نے سازش کر کے ان کو مہدی وقت مان لیا ھو؟

بہر حال ابو الفرج نقل کرتے ھیں کہ عبد اللہ محض نے لوگوں سے خطاب کرتے ھوئے مزید کھا ہمیں متحد ھو کر ایك ایسے نوجوان کی قیادت میں کام شروع کر دینا چاھیے کہ جو اس مظلوم ملت کو ظالموں کے شکنجوں سے نجات دے سکے۔ اسکے بعد بولے ایھا الناس اے لوگو! میری بات غور سے سنو ان ابنی ھذا ھو المھدی کہ میرا بیٹا محمد ہی مہدی دوراں ہے۔ آپ سب مل کر ان کی بیعت کریں۔ اس اثناء میں منصور بولا کہ مہدی کے عنوان سے نھیں البتہ یہ نوجوان موجودہ دور میں قیادت کے فرائض احسن طریقے سے نبھا سکتا ھے۔ آپ سچ

کہہ رہے ہیں ھم سب کو اس نوجوان کی بیعت کرنی چاہیے۔ میٹنگ کے تمام شرکاء نے ایك زبان ھو کر اس کی تصدیق کی اور ایك ایك کر کے انھوں نے محمد کی بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ آپ بھی تشریف لائیں۔ جب حضرت تشریف فرما ھوئے سب نے حضرت کا استقبال کیا۔ عبد اللہ محض جو صدر مجلس تھے نے اپنے پہلو میں حضرت کو جگہ دی۔ اس کے بعد انھوں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں رپورٹ پیش کی اور کہا جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ھیں کہ ملکی و سیاسی حالات مخدوش ہیں لھذا وقت کا تقاضا یہ ھے کہ ہم میں سے کوئی شخص اٹھے اور امت و ملت کی قیادت کرے۔ اس میٹنگ کے تمام شرکاء نے میرے بیٹے محمد کی بیعت کی ھے ۔کیونکہ ھمارے نزدیك مھدی دوراں یہی محمد ہی ھیں۔ لھذا آپ ان کی بیعت کریں۔ فقال جعفر لا تفعلوا امام علیہ السلام نے فرمایا نھیں تم ایسا نہ کرو:

فان ھذا الامر ثم یات بعد ان کنت تری ان ابنك ھذا ھو المھدی فلیس بہ ولا ھذا اوانہ

رھی بات مھدی علیہ السلام کے ظھور کی تو یہ وقت ظھور نھیں ھے۔ اے عبداللہ اگر تم خیال کرتے ھو کہ تمھارا یہ بیٹا محمد مھدی ھے تو تم سخت غلطی پر ھو، تمھارا بیٹا ھر گز مھدی نھیں ھے اس وقت مھدی علیہ السلام کا مسئلہ نھیں ھے اور نہ ھی ان کی آمد اور ظھور کا وقت ھوا ھے۔"

وان کنت انما یرید ان تخرجہ غضبا للہ ولیامر بالمعروف وینہ عن المنکر فانا واللہ لا ندعك فانت شیخنا ونبایع ابنك فی الامر "

حضرت نے اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرمایا اگر تم مھدی کے نام پر بیعت لے رہے ہو تو میں ہرگز بیعت نھیں کروں گا۔ کیونکہ یہ سراسر جھوٹ ہے یہ مھدی نھیں ہے اور نہ ہی مھدی (ع) کے ظھور کا وقت ہوا ھے لیکن اگر آپ نیکی کے فروغ اور برائیوں اور ظلم کے خاتمے کے لئے جھاد کریں گے تو ھم آپ لوگوں کا ہر طرح سے ساتھ دیں گے۔"

امام علیہ السلام کے اس فرمان سے آپ کا موقف کھل کر سامنے آ جاتا ھے۔ آپ نے نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کے خاتمہ کے لئے ساتھ دینے کا وعدہ تو کیا لیکن آپ نے ان کی غلط پالیسیوں کی مخالفت کر دی کہ یہ محمد مھدی نھیں ھے۔ جب آپ نے بیعت کا انکار کیا تو عبد اللہ ناراض ھو گئے۔ جب آپ نے عبد اللہ کی ناراضگی کو دیکھا تو فرمایا دیکھو عبد اللہ میں آپ سے کہہ رھا ھوں کہ تمھارا بیٹا محمد مھدی نھیں ہیں ہم اھل بیت کے نزدیك یہ ایك ایسا راز ھے کہ جس کو ھم ہی جانتے ھیں ھمارے سوا کوئی اور نھیں جانتا کہ وقت کا امام کون ھے اور مھدی (ع) کون ھو گا؟ یاد رکھو تمھارا یہ بیٹا بہت جلد قتل کر دیا جائے گا۔ ابو الفرج نے لکھا ھے کہ عبد اللہ سخت ناراض ھوئے اور کھا خیر آپ نے جو کھنا تھا کہہ دیا لیکن ھمارا نظریہ یھی ھے کہ محمد مھدی وقت ہے، آپ حسد اور خاندانی رقابت کے باعث اس قسم کی باتیں کر رھے ھیں۔

فقال واللہ ماذاك یحملنی ولکن ھذا واخوتہ وابنانھم دونکم وضرب یدہ ظھر ابی العباس

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا دست مبارك ابو العباس کی پشت پر مارتے ھوئے فرمایا یہ بھائی مسند خلافت پر فائز ھو جائیں گے اور آپ اور آپ کے بیٹے محروم رھیں گے۔"

اس کے بعد آپ نے عبداللہ حسن کے کندھے پر ھاتھ رکھ کر فرمایا:

"ما ھی الیك و لا الی ابنیك"

تم اور تمھارے بیٹے خلافت تك نھیں پھنچ سکیں گے۔"

ان کو قتل ھونے سے بچائیے۔ بنو عباس آپ کو خلافت تك پھنچنے نھیں دیں گے۔ اور تمھارے دونوں بیٹے قتل کر دئیے جائیں گے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ھوئے۔ آپ نے اپنا ایك ہاتھ عبدالعزیز عمران زھری کے کندھے پر رکھتے ھوئے اس سے کہا:

"ارایت صاحب الرداء الاصغر؟"

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے سبز قبا پھنی ھوئی تھی؟"

(آپ کی اس سے مراد ابو جعفر منصور تھی) وہ بولا نعم جی ھاں آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم جانتے ہیں کہ یھی شخص مستقبل قریب میں عبد اللہ کے بیٹوں کو قتل کردے گا۔

یہ سن کر عبد العزیز سخت متعجب ھوا اور اپنے آپ سے کھنے لگا یہ لوگ آج تو اس کی بیعت کر رھے ھیں اور کل اسے قتل کردیں گے؟ آپ نے فرمایا ھاں عبد العزیز ایسا ہی ھو گا عبد العزیز نے کہا میرے دل میں تھوڑا سا شك گزرا ھو سکتا ہے امام علیہ السلام نے حسد وغیرہ کی وجہ سے ایسا کھا ھو لیکن خدا کی قسم میں نے اپنی زندگی ھی میں دیکھ لیا کہ ابو جعفر منصور نے عبد اللہ کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام محمد سے بے حد پیار کرتے تھے۔ ابو الفرج کے بقول

کان جعفر بن محمد اذا رای محمد بن عبداللہ بن الحسن تغر غرت عیناہ

کہ امام علیہ السلام کی نگاہ مبارك جب محمد پر پڑتی تو آپ کی آنکھو سے بے ساختہ آنسو چھلك پڑتے اور فرمایا کرتے:

بنفسی ھو ان الناس فیقولون فیہ انہ لمقتول لیس ھذا فی کتاب علی من خلفاء ھذہ الامۃ

میری جان قربان ہو اس پر لوگ جو اس کے بارے میں مھدی ہونے کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ نوجوان قتل کیا جائے گا ھمارے پاس حضرت علی علیہ السلام کی ایك کتاب موجود ھے اس میں محمد کا نام خلفاء میں شامل نھیں ھے۔"

اس سے معلوم ھوتا ہے کہ شروع میں تحریك کا آغاز ہی مھدویت کے نام پر ہوا ہے لیکن امام جعفر صادق (ع) نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا اگر یہ تحریك نیکیوں کے فروغ اور برائیوں کے خاتمہ کے لئے ھے تو پھر ھم اس کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں گے لیکن ہم محمد کو مھدی کے طور پر تسلیم نھیں کرسکتے، رہی بات بنو عباس کی تو ان کا مطمع نظر سیاسی و حکومتی مفادات حاصل کرنے کے سوا کچھ نھیں ہے ۔

امام جعفر صادق (ع) کے دور امامت کی چند خصوصیات:

یہاں پر ہم جس لازمی نکتے کا ذکر کرنا چاہتے ھیں وہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور امامت اسلامی خدمات کے حوالے سے بے نظیر اور بھترین دور ہے۔ آپ کے دور میں مختلف قسم کی تحریکوں نے جنم لیا، بے شمار انقلابات رونما ھوئے ۔ امام علیہ السلام کے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا انتقال 114 کو ھوا۔ آپ اس وقت امام وقت مقرر ھوئے اور148 تك زندہ رھے۔ ظھور اسلام سے لیکر اب تك دو تین نسلیں حلقہ اسلام میں داخل ھو چکی تھیں۔ سیاسی و تمدنی لحاظ سے بے تحاشا ترقی ھوئی۔ اور کچھ ایسی جماعتیں بھی وجود میں آئیں جو خدا کی منکر تھیں۔ زندیق اس دور میں رونما ھوئے یہ لوگ خدا، دین اور پیغمبر کے مخالف تھے۔ بنی عباس کی طرف سے ان بے دین عناصر کو ھر لحاظ سے آزادی حاصل تھی۔
صوفیاء بھی اسی دور میں ظاھر ہوئے اور کچھ ایسے فقہا بھی پیدا ھوئے کہ جو فقہ کو قیاس کی طرف لے گئے۔ اس دور میں مختلف نظریات رکھنے والے لوگ، جماعتیں پیدا ھوئیں۔ اس نوع کی تبدیلی اور جدت و ندرت پہلے ادوار میں نہ تھی۔

امام حسین (ع) اور امام جعفر صادق (ع) کے زمانوں کا زمین و آسمان کا فرق ھے۔ امام حسین علیہ السلام کے دور میں بہت زیادہ گھٹن تھی اور مشکل ترین دور تھا اس لئے امام عالی مقام نے اپنے دور امامت میں حدیث کے پانچ چھ جملے بیان فرمائے اس کے علاوہ کوئی حدیث نظر نھیں آتی، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور امام تعلیمی و تربیتی حوالے سے بھترین دور تھا۔ آپ نے فرصت کے ان لمحوں سے فائدہ اٹھاتے ھوئے بہت کم مدت میں چار ھزار فضلاء تیار کیے۔ لھذا اگر ھم فرض کریں (جو کہ غلط ھے) کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو وھی حالات پیش آتے جو امام حسین علیہ السلام کو پیش آئے تھے تو پھر بھی امام جعفر صادق علیہ السلام علمی کارنامے انجام دیتے؟ ھم نے پہلے عرض کیا ھے کہ آئمہ طاھرین کی حیات طیبہ کا انداز ایك جیسا ھوتا ھے اور آپ کی شھادت وہی رنگ لاتی جو کہ امام حسین (ع) کی لائی ھے۔ اگر چہ آپ ایك وقت درجۂ شھادت پر فائز بھی ھوئے لیکن آپ کو قدرت نے خوب موقعہ فراہم کیا کہ آپ نے علمی و دینی لحاظ سے غیر معمولی کارنامے سر انجام دیئے۔ آج امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام پوری دنیا میں ایك بہت بڑے مصلح کے طور پر مانا جانا جاتا ھے۔

ابو سلمہ کو وزیر آل محمد (ع) اور ابو مسلم کو امیر آل محمد (ص) کے لقب سے یاد کیا گیا ھے۔ یھی نوجوان امویوں کی حکومت کے خاتمے کا باعث بنے اگرچہ انھوں نے عباسیوں کو اقتدار حکومت سونپنے میں بھر پور کردار ادا کیا تاہم ابو سلمہ ایسا نوجوان ھے کہ جو آخر میں اس چیز کی خواھش رکھتا تھا کہ اقتدار آل علی (ع) کو منتقل کیا جائے۔ انھوں نے اسی مقصد کی تکمیل کیلئے ایك خط امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ محض کے نام بھی ارسال کیا تھا ان دونوں شخصیات میں عبد اللہ حکومت ملنے پر خوش اور آمادہ تھے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو سلمہ کی اس پیش کش کو ذرہ بھر اہمیت نہ دی۔ یھاں تك آپ نے اس کے خط کو بھی نہ پڑھا جب آپ کی خدمت میں چراغ لایا گیا تو امام علیہ السلام نے اس خط کو نہ فقط پھاڑ دیا بلکہ اسے جلا بھی دیا اور فرمایا اس خط کا جواب یھی ہے ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے سیاسی و حکومتی امور میں دلچسپی لینے اور ان میں مداخلت کرنے کی بجائے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور آپ اقتدار کو سنبھالنے کی ذرا بھر خواہش نہ رکھتے تھے اور نہ ھی اس کے

لئے کسی قسم کی کوشش کا سوال پیدا ھوتا ھے کہ امام علیہ السلام اگر کوشش کرتے تو اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے تھے۔ اس کے باوجود آپ خاموش کیوں رہے؟ اس عدم دلچسپی کی وجہ کیا ھو سکتی ھے؟ جبکہ فضا بھی امام کے حق میں تھی۔ بالفرض اگر اس مقصد کے لئے آپ شہید بھی ھو جاتے تو شهادت بھی آل محمد (ص) کے لئے سب سے بڑا اعزاز ھے۔ ان سوالات کا جواب دیتے ھوئے، ایك بار پھر ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں کچھ روشنی ڈالتے ہیں تا کہ حقیقت پوری طرح سے روشن ہو جائے۔ہم نے پہلے عرض کیا ھے کہ اگر امام حسین علیہ السلام اس دور میں ھوتے تو آپ کا انداز زندگی بالکل امام جعفر صادق علیہ السلام اور دیگر آئمہ طاھرین (ع) جیسا ھوتا چونکہ امام حسین علیہ السلام اور دیگر اماموں کے دور ھائے امامت میں فرق تھا اس لئے ھر امام نے مصلحت و حکمت عملی اپناتے ہوئے امن و آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ ھماری گفتگو کا محوریہ نہیں ہے کہ امام علیہ السلام نے اقتدار کیوں نہیں قبول کیا؟ بلکہ بات یہ ھے کہ آپ چپ کیوں رھے اور میدان جنگ میں آ کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کیوں نہیں کی؟

امام حسین (ع) اور امام صادق (ع) کے ادوار میں باھمی فرق:

ان دو اماموں کا آپس میں ایك صدی کا فاصلہ ھے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سال 61 ھجری کو ھوئی اور امام صادق علیہ السلام کی شہادت 148 کو واقع ھوئی گویا ان دو اماموں کی شہادتیں 87 سال ایك دوسرے سے فرق رکھتی ھیں۔ اس مدت میں زمانہ بہت بدلا، حالات نے کروٹ لی اور دنیائے اسلام میں گونا گوں تبدیلیاں ھوئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور میں صرف ایك مسئلہ خلافت تھا کہ جس پر اختلاف ہوا دوسرے لفظوں میں ہر چیز خلافت میں سموئی ھوئی تھی، اور خلافت ہی کو معیار زندگی سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت اختلاف کا مقصد اور بحث کا ما حصل یہ تھا کہ کس کو "امیر امت" متعین کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے خلافت کا تصور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط تھا۔ معاویہ سیاسی لحاظ سے بہت ھی طاقتور اور ظالم شخص تھا۔ اس کے دور حکومت میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ لوگ حکومت وقت کے خلاف ایك جملہ تك نہ کہہ سکتے تھے۔ تاریخ میں ملتا ھے کہ اگر کوئی شخص حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت میں کوئی حدیث بیان کرنا چاھتا تو وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتا تھا اور اس کو دھڑکا سا لگا رہتا کہ کھیں حکومت وقت کو پتہ نہ چل جائے۔ نماز جمعہ کے اجتماعات میں حضرت علی علیہ السلام پر کھلے عام تبرا کیا جاتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں منبر پر حضرت امیر علیہ السلام پر (نعوذ باللہ) لعنت کی جاتی تھی۔ جب ھم امام حسین علیہ السلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ اس وقت کا موسم کس قدر پتھریلا اور سخت تھا؟

کیسا عجیب دور تھا کہ امام حسین علیہ السلام جیسے امام سے ایك حدیث، ایك جمعہ، ایك مکالمہ ایك خطبہ اور ایك تقریر اور ایك ملاقات کا ذکر نہیں ھے۔ عجیب قسم کی گھٹن تھی۔ لوگوں کو آپ سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔آپ نے پچاس سالوں میں کتنی تلخیاں دیکھیں۔ کتنی پابندیاں برداشت کیں۔ یہ صرف امام حسین علیہ السلام ہی جانتے ہیں یھاں تك آپ سے تین جملے بھی حدیث کے نقل نہیں کیے گئے۔ آپ ہر لحاظ سے مصائب میں گھرے ہوئے تھے۔یہ دور بھی گزر گیا جانے والے چلے گئے اور آنے والے آگئے بنی امیہ کی حکومت ختم ھوئی اور بنو عباس کی حکومت شروع ھوئی اس وقت لوگوں میں علمی و فکری لحاظ سے کافی تبدیلی ھو چکی تھی۔ لوگ فکری لحاظ سے آزادی محسوس کرتے تھے۔ اس دور میں جس تیزی سے علمی وفکری ترقی ہوئی

اس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ھے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت پر وسیع پیمانے پر کام ھونے لگا مثال کے طور پر علم قرات، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور دیگر ادبی سرگرمیاں عروج پر ھونے لگیں یھاں تك کہ طب، فلسفہ، نجوم اور ریاضی وغیرہ جیسے علوم منظر عام پر آنے لگے۔

یہ سب کچھ تاریخ میں موجود ھے کہ حالات کا رخ بدلنے سے لوگوں میں علمی و فکری شعور پیدا ھوا۔ باصلاحیت افراد کو اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقعہ ملا۔ یہ علمی فضا اور تعلیمی ماحول امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانوں سے قبل وجود تك نہ رکھتا تھا۔ یہ سب کچھ صرف حالات بدلنے سے ھوا کہ لوگ اچانك علم و عمل، فکر و نظر کی باتیں سننے لگے اور پھر کیا ھوا کہ چھار سو علم کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔ اب اگر بنو عباس پابندی عائد کرنا بھی چاھتے تو ان کے بس سے باھر تھا۔ کیونکہ عربوں کے علاوہ دوسری قومیں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ ان قوموں میں ایرانی غیر معمولی حد تك روشن فکر تھے۔ ان میں جوش و جذبہ بھی تھا اور علمی صلاحیت بھی۔ مصری اور شامی لوگ بھی فکری اعتبار سے خاصے زرخیز تھے۔ ان علاقوں میں دنیا کے مختلف افراد آ کر آباد ھوئے۔ پھر دنیا کے لوگوں کی آمد و رفت نے اس خطے کو علم و ادب کا گھوارا بنا دیا۔ مختلف قومیں، مختلف نظریات اور پھر بحث مباحثوں سے فضا میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ھوئی۔ یھاں پر اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ھو چکا تھا۔ لوگ چاھتے تھے کہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں۔ دوسری طرف عرب قرآن مجید میں کچھ زیادہ غور و خوض نہ کرتے تھے، لیکن دوسری قوموں میں قرآنی تعلیمات حاصل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ جذبہ کار فرما تھا۔ اس دور میں قرآن مجید کے ترجمہ، تفسیر اور مفاھیم پر خاصہ کام ھوا اور لوگ قرآن مجید کو بنیادی حیثیت دے کر بات کرتے تھے۔

نظریات کی جنگ:

اچانك پھر کیا ھوا کہ عقائد و نظریات کا بازار گرم ھو گیا، سب سے پھلے تو تفسیر قرآن، قرات اور آیات قرانی پر بحث ھونے لگی۔ ایك ایسی جماعت پیدا ھوئی کہ جو لوگوں کو علم قرات، اور الفاظ، حروف کی صحیح ادائیگی کے بارے میں تعلیم دینے لگی، اس وقت قرآن مجید کی اشاعت و طباعت ایسی نہ تھی کہ جیسا کہ ھمارے دور میں ھے۔ ان میں سے ایك شخص کھتا تھا میں قرات کرتا ھوں اور یہ روایت فلاں بن فلاں صحابی سے نقل کرتا ھوں اور ان کی اکثریت حضرت علی علیہ السلام تك پھنچتی تھی۔ دوسرے افراد مختلف شخصیات سے روایت کرتے اسی طرح بحثوں اور مذاکروں کا سلسلہ عروج تك جا پھنچا۔ یہ لوگ مساجد میں جاکر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے۔ عربوں کی نسبت غیر عرب زیادہ شوق و ذوق سے شرکت کرتے تھے، اس کی وجہ یہ ھے کہ عجمی لوگ قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ایك قرات کے استاد مسجد میں آ کر لوگوں کو درس قرآن دیتے اور ان کے ارد گرد لوگوں کا ایك ہجوم جمع ھو جاتا۔ اتفاق سے قرات میں بھی اختلاف پیدا ھو گیا پھر قرآن مجید کے معانی پر اختلاف پیدا ھو گیا، کوئی کچھ معنی کرتا اور کوئی کچھ ۔ اسی طرح احادیث کے بارے میں بھی مختلف آراء تھیں۔ حافظ احادیث کو بہت زیادہ احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ مساجد و محافل میں بڑے فخر و انبساط سے احادیث نقل کرتا اور لوگوں کو نئے اسلوب کے ساتھ حدیثیں بیان کرتا۔ نقل احادیث کے مراحل بھی بیان کرتا کہ یہ حدیث میں نے فلاں سے سنی اور اس نے فلاں سے اور فلاں نے پیغمبر اکرم (ص) سے نقل کی ھے پھر اس کا معنی و مفھوم یہ ھے۔

ان میں قابل احترام طبقہ فقھاء کا تھا لوگ ان سے فقھی مسائل پوچھتے تھے جیسا کہ اب بھی لوگ علماء سے شرعی و فقھی مسائل دریافت کرتے ھیں۔فقھاء کی ایک کثیر تعداد مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔ لوگوں کو آسان طریقے سے بتایا جاتا تھا کہ یہ چیز حلال ھے اور یہ حرام یہ چیز پاك ھے اور یہ نجس یہ کاروبار صحیح ھے اور یہ ناجائز وغیرہ وغیرہ، مدینہ بہت بڑا علمی مرکز تھا اور دوسرا بڑا مرکز کوفہ میں قائم تھا۔ جناب ابو حنیفہ کوفہ میں تھے بصرہ بھی علمی لحاظ سے کافی اچھی شہرت کا حامل تھا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں اندلس فتح ھوا تو یہاں پر بھی علمی مرکز قائم ھو گیا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہر اسلامی شہر علم و عمل کا مرکز کھلاتا تھا کھا جاتا تھا کہ فلاں فقیہ کا یہ نظریہ ھے اور فلاں فقیہ یہ فرماتے ھیں مختلف مکاتب فکر کی موجودگی میں اختلاف رائے کا پیدا ھونا ضروری امر تھا۔ چنانچہ فقھی میدان میں بھی عقائد کی جنگ چھڑ گئی اور یہ روز بروز زور پکڑتی گئی۔ ان تمام اختلافات سے بڑھ کر اختلاف "علم کلام" کا تھا۔

پہلی صدی ہی میں متکلم حضرات کی آمد شروع ھوگئی جیسا کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں دیکھتے ھیں کہ "متکلمین" آپس میں بحث مباحثہ کرتے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض شاگرد علم کلام میں خاص مہارت رکھتے تھے اور اعتراض کرنے والوں کو بڑے شائستہ طریقے سے جواب دیتے تھے۔ یہ لوگ خدا، صفات خدا اور قرآن مجید کی ان آیات سے متعلق بحث و تمحیص کرتے جو خدا کے بارے میں ھوا کرتی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ خدا کی فلاں صفت عین ذات ھے یا نھیں، کیا وہ حادث ہے یا قدیم؟ نبوت اور وحی کے بارے میں بحث کی جاتی تھی، شیطان کو بھی بحث میں لایا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے اس کا کام کیاہے اور اس کے شر سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ پھر ایمان اور عمل پر روشنی ڈالی جاتی قضا وقدر، جبر و اختیار پر گفتگو ھوتی۔ غرض کہ علم کلام کے ماہرین کے مابین نوك جھونك ہوتی رہتی اور مباحثوں کا یہ طویل سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور آج تك موجود ھے اور قیامت تك رھے گا لیکن بحث کے وقت انسان انتھا پسندانہ رویے کو ترك کرکے صلح و آشتی اور پرامن رویے کو اپنے سامنے رکھے۔ ان بحثوں کا نتیجہ تھا کہ ایك خطر ناك ترین گروہ پیدا ھو گیا۔ ان کو آپ زندیق، لا مذھب کہہ سکتے ھیں۔ یہ لوگ خدا اور ادیان کے قائل نہ تھے۔ ان کو ھر لحاظ سے مکمل آزادی تھی، یہ مکہ و مدینہ، مسجد الحرام یہاں تك مسجد الحرام اور مسجد النبی میں بیٹھ کر اپنے عقائد کی ترویج کرتے تھے۔

اگر چہ وہ ھمارے نزدیك ایك بے دین کی سی حیثیت رکھتے ھیں لیکن وہ پڑھے لکھے ضرور تھے، ان کے سینوں میں علم اور ان کے ذھنوں میں فکر تھی، جو انھیں کچھ سوچنے اور بولنے پر مجبور کر رھی تھی یہ اور بات ھے کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹك گئے تھے۔ ان میں کچھ سریانی زبان بولتے تھے اور کچھ یونانی زبان جانتے تھے، کچھ ایرانی تھے کہ فارسی بولتے تھے۔ کچھ ھندی زبان جانتے تھے۔ سر زمین ھند سے کافی زندیق منگوائے گئے تھے۔ یہ ایك الگ بحث ھے کہ زندیقیوں کا وجود کھاں سے شروع ھوا اور اس کی وجہ کیا ھے؟اس دور کی ایك اور بات کہ لوگ افراط وتفریط کا شکار ھو گئے تھے۔ کچھ لوگ صوفیوں اور خشك مقدس مولویوں کے روپ میں سامنے آ گئے۔ یہ صوفی حضرات بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں وارد ھوئے۔ انھوں نے بہت جلد اپنا ایك مستقل اور الگ گروہ بنا لیا۔ یہ کھلے عام تبلیغ کرتے تھے۔

یہ لوگ اسلام کے خلاف کوئی بات نہ کرتے بلکہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ اصل اسلام وہی

ہے کہ جو یہ کہہ رہے ہیں۔ ان خشك مقدس مولویوں نے لوگوں میں عجیب قسم کا نظریہ پیدا کرنے کی بھر پور کوشش کی۔ ان کا ظاھری صالحانہ، عابدانہ اور زاھدانہ انداز اختیار کرنا زبردست کشش کا باعث بنا اور یہ خالص اور حقیقی دین اسلام کے لیے زبر دست خطرے کا باعث تھا خوارج بھی اسی نظریہ کی پیداوار ھیں۔

امام جعفر صادق (ع) اور مختلف مکاتب فکر:

ھم دیکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اتنی بڑی مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود مختلف فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی اسلامی طریقے سے تربیت کرنے کی بھر پور کوششیں کیں۔ قرآت اور تفسیر میں امام علیہ السلام نے انتھائی قابل ترین شاگرد تیار کیے جو لوگوں کو قرآن مجید کی صحیح طریقے سے تعلیم دیتے اور ان کو صحیح تفسیر سے متعارف کراتے، جہاں کہیں کسی قسم کی غلطی دیکھتے فوراً پکار اٹھتے اور بروقت اصلاح کرنے کی کوشش کرتے۔ پھر ایسے ہونہار طلبہ بھی میدان میں آئے جو علم حدیث میں پوری طرح سے مہارت رکھتے۔ نا سمجھ لوگوں کو بتایا جاتا کہ حدیث صحیح ھے اور یہ صحیح نہیں ھے۔ اس حدیث کا سلسلہ پیغمبر اسلام (ص) تك پھنچتا ھے اور یہ حدیث من گھڑت ہے۔

فقھی مسائل کے حل اور لوگوں کی شرعی احکام میں تربیت کے لیے آپ کے لائق ترین شاگردوں نے بھر پور کردار ادا کیا۔ جولوگ فقہ سے نا آشنائی رکھتے یہ نوجوان طلبہ قریہ قریہ جا کر لوگوں کو حلال و حرام اور دیگر مسائل فقھی کی تعلیم دیتے۔ یہ ایك عجیب اتفاق ھے کہ اھل سنت کے تمام بڑے مذھبی رھنما کسی نہ کسی حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علمی فیض حاصل کرتے رھے ھیں۔تاریخ کی تمام کتب میں درج ہے کہ جناب ابو حنیفہ دو سال تك امام علیہ السلام سے پڑھتے رھے ھیں۔ جناب ابو حنیفہ کا ایك قول بہت مشھور ہے اور یہ قول تمام کتب اھل سنت میں موجود ہے کہ ملت حنفیہ کے سر براہ جناب ابو حنیفہ نے فرمایا کہ

"لولا السنتان لھلك نعمان"

اگر میں نے وہ دو سال امام علیہ السلام کی شاگردی میں نہ گزارے ہوتے تو میں ھلاك ہوجاتا۔

جناب ابو حنیفہ کا اصل نام نعمان ھے۔ کتب میں آپ کو نعمان بن ثابت بن زوطی بن مرزبان، کے نام سے یاد کیا گیا ھے۔ آپ کے آباؤ اجداد ایرانی تھے۔

اسی طرح اھلسنت کے دوسرے امام جناب مالك بن انس امام جعفر صادق علیہ السلام کے ھم عصر تھے۔ جناب مالك نے بھی امام علیہ السلام سے کسب فیض کیا اور عمر بھر اس پر فخر کرتے رھے۔ امام شافعی کا دور بعد کا دور ھے انھوں نے جناب ابو حنیفہ کے شاگردوں، مالك بن انس اور احمد بن حنبل سے استفادہ کیا۔ لیکن ان کے اساتذہ کا سلسلہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جا ملتا ھے۔ اپنے وقت کے چند علماء، فقھاء، محدثین امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی و دینی فیوضیات سے مستفیض ھوئے۔ امام علیہ السلام کے حلقہ درس میں علماء و فضلاء کا تمام وقت رش لگا رھتا تھا۔ اب میں اھل سنت کے بعض علماء کے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں تاثرات پیش کرتا ھوں اس امید کے ساتھ کہ ھمارے محترم قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

امام جعفر صادق (ع) کے بار ے میں جناب مالك کے تاثرات:

جناب مالك بن انس مدینہ میں رھائش پزیر تھے۔ نسبتاً خود پسند انسان تھے۔ ان کا کھنا ھے کہ میں جب بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ھوتا تو آپ کو ھمیشہ اور ھر وقت ہنستا مسکراتا ھوا پاتا۔

"وکان کثیر التبسم"

آپ کے ہونٹوں پر ھمیشہ مسکراہٹ کے پھول کھلے ھوئے رہتے تھے۔"

گویا آپ کو میں نے ھمیشہ خوش اخلاق پایا۔ آپ کی ایك عادت یہ تھی کہ جب آپ کے سامنے پیغمبر اسلام (ص) کا نام مبارك لیا جاتا تو آپ کے چھرے کا رنگ یکسر بدل جاتا۔ میں اکثر اوقات امام علیہ السلام کے پاس آتا رھتا تھا۔ آپ اپنے زمانے کے عابد و زاھد انسان تھے۔ تقوی و پرھیز گاری اور راستبازی میں آپ کا کوئی ثانی نھیں تھا۔ جناب مالك ایك واقعہ نقل کرتے ھوئے کہتے ھیں کہ میں ایك مرتبہ امام علیہ السلام کے ھمراہ تھا جب ھم مدینہ سے نکل کر مسجد الشجرہ پر پھنچے تو ھم نے احرام باندھ لیا ھم چاھتے تھے کہ لبیك کھیں اور رسمی طور پر محرم ھو جائیں، چنانچہ ھم نے لبیك کھنا شروع کیا اور احرام باندھا تو میری نگاہ امام علیہ السلام پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے چھرہ اقدس کا رنگ یکسر بدل گیا ھے، اور آپ کا بدن کانپ رھا ھے۔ یوں لگتا تھا کہ شاید سواری سے گر جائیں۔ خدا خوفی کی وجہ سے آپ پر عجیب قسم کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے عرض کیا اے فرزند رسول (ص) ! اب آپ لبیك کہہ ھی دیں تو آپ نے فرمایا میں کیا کھوں اور کیسے کھوں اگر میں لبیك کھتا ھوں؟ تو مجھے جواب ملے کہ لا لبیك تو اس وقت میں کیا کروں گا؟ اس روایت کو آقا شیخ عباس قمی اور دوسرے مورخین نے اپنی کتب میں نقل کیا ھے۔ اس روایت کے راوی جناب مالك بن انس ھیں جو اھل سنت حضرات کے بہت بڑے امام ہیں جناب مالك کا کھنا ھے کہ:

ما رات عین ولا سمعت اذن ولا خطر علی قلب بشر افضل من جعفر بن محمد۔

آنکھ نے نھیں دیکھا کان نے نھیں سنا اور کسی کے خیال خاطر میں نھیں آیا کہ کوئی مرد امام جعفر صادق علیہ السلام سے افضل نظر سے گزرا ھو۔"

محمد شہرستانی جو کتاب الملل والنحل کے مصنف ھیں آپ پانچویں ھجری میں بہت بڑے عالم، متکلم، فلسفی ھو کر گزرے ھیں۔ دینی و مذھبی اور فلسفیانہ اعتبار سے یہ کتاب دنیا بھر میں مشھور ھے۔ مصنف کتاب ایك جگہ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ھوئے لکھتا ھے کہ:

"ھو ذو علم غریر"

کہ آپ کا علم ٹھاٹھیں مارتا ھوا سمندر تھا۔"

و ادب کامل فی الحکمة"

حکمت میں ادب کامل تھے۔"

وزھد فی الدنیا وورع تام عن الشھوات"

آپ غیر معمولی پر متقی و پرھیز گار تھے آپ خواہشات نفسانی سے دور رہتے تھے۔"

ویفیض علیٰ الموالی لہ اسرار العلوم ثم (دخل العراق)

آپ سرزمین مدینہ میں رہ کر دوستوں اور لوگوں کو علم کی خیرات بانٹتے تھے۔" پھر آپ عراق تشریف لے آئے یہ مصنف امام علیہ السلام کی سیاست سے کنارہ کشی پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھتا ھے۔"

و لا نازع فی الخلافۃ احدا"

کہ آپ نے خلافت کے مسئلہ پر کسی سے کسی قسم کا اختلاف و نزاع نہ کیا۔

اس کنارہ گیری کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آپ علم و معرفت کے سمندر میں غوطہ زن رھتے تھے اس لیے دوسرے کاموں کے لیے آپ کے پاس وقت ھی نہ تھا۔ میں محمد شھرستانی کی توجیہ کو صحیح نھیں سمجھتا۔ میرا مقصود اس سے یہ ھے کہ اس نے کھلے لفظوں میں امام کی غیر معمولی معرفت کا اعتراف کیا ھے لکھتا ھے۔

"ومن غرق فی بحر المعرفۃ لم یقع فی شط"

کہ جو دریائے معرفت میں ڈوبا ھوا ھو وہ خود کو کنارے پر نھیں لے آئے گا" اس کے نزدیك خلافت و حکومت ایك سطحی سی چیزیں ھیں جبکہ علم و معرفت کی بات ھی کچھ اور ھے۔

ومن تعلیٰ الیٰ ذروۃ الحقیقۃ لم یخف من حط

کہ جو حقیقت کی بلند و بالا چوٹیوں پر پھنچ جائے وہ نیچے کی طرف آنے سے کیسے ڈرے گا۔"

با وجودیکہ شھرستانی شیعوں کا مخالف شخص ھے، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں مدحت سرائی کر رھا ھے۔ اس نے اپنی کتاب الملل و النحل میں شیعوں کے خلاف بھت زیادہ زھر اگلا ھے۔ لیکن اس نے امام علیہ السلام کو بہت ہی اچھے لفظوں کے ساتھ یاد کیا ھے۔ اگر چہ یہ دشمن تھا لیکن حقیقت کو ماننے پر مجبور ھو گیا۔ یہ نہ مانتا تو کیسے نہ مانتا؟ امام جعفر صادق علیہ السلام جیسا کوئی ھوتا تو یہ سامنے لاتا۔ سورج کا بھلا چراغوں سے کیسے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ اب بھی دنیا میں ایسے علماء موجود ھیں جو شیعیت کے سخت دشمن ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیحد احترام کرتے ھیں۔ وہ کہتے ھیں کہ شیعہ حضرات سے جن باتوں پر ھمارا اختلاف ھے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کردہ باتوں میں نھیں ھے کیونکہ صادق آل محمد علیھم السلام ایك انتھائی باکمال شخصیت و بے نظیر حیثیت کے مالك انسان تھے اور آپ کی علمی خدمات اور دینی احسانات کو کبھی اور کسی طور بھی نھیں بھلایا جا سکتا۔

احمد آمین کی رائے فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، ظھر الاسلام، یوم الاسلام یہ احمد آمین کی معروف ترین کتب ہیں۔ احمد آمین ھمارے ہم عصر عالم دین ہیں۔ اور یہ شیعوں کے سخت مخالف ھیں۔ ان کو مذھب شیعہ کے بارے میں ذرا بھر علم نھیں ہے۔ سنی سنائی باتوں کو وجہ اعتراض بناکر شیعوں کے خلاف اپنی کتابوں میں انھوں نے بہت کچھ لکھا ھے۔ حالانکہ اس سطح اور اس پائے کے عالم دین کو حق کو سامنے رکھ کر حقیقت پسندی کا مظاھرہ کرنا چاھیے تھا۔ لیکن انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی جتنی تعریف کی ھے اتنی کسی اور سنی عالم نے نھیں کی۔ امام علیہ السلام کے فرامین اور ارشادات کی تفسیر و تشریح اس انداز میں کی ھے کہ کوئی عالم دین بھی نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کیا ھے۔ ملت اسلامیہ، مذھب جعفریہ کے بارے میں ذرا بھر بھی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کاش وہ شیعوں کے بارے میں حقیقت پسندی سے کام لیتے اور ایك عظیم اور شریف ملت پر الزامات عائد کر کے اپنی کتب کے صفحات کو سیاہ نہ کرتے؟

جاحظ کا اعتراف:

میرے نزدیك جاحظ کی علمی صلاحیت اور دینی قابلیت دوسرے سنی علماء سے بڑھ کر ھے۔ یہ شخص دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل کا سب سے بڑا عالم ھے۔ یہ شخص ذھانت و متانت کا عظیم شاہکار ھونے کےساتھ ساتھ غیر معمولی حد تك صاحب مطالعہ تھا۔ جاحظ نہ صرف اپنے عھد کا بہت بڑا ادیب ھے بلکہ ایك بہت بڑا محقق اور مورخ بھی ہے انھوں نے حیوان شناسی پر ایك کتاب الحیوان تحریر کی تھی آج یہ کتاب یورپی سائنسدانوں کے نزدیك بہت اھمیت رکھتی ھے۔ بلکہ ماھرین حیوانات اس کتاب پر نئے نئے تحقیقات کر رھے ھیں۔ جانوروں اور حیوانات کے بارے میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نھیں ھے۔ یہ کتاب اس دور میں لکھی گئی جب یونان اور غیر یونان میں جدید علوم نے اتنی ترقی نہ کی تھی۔ اس وقت ان کے پاس کسی قسم کا موادنہ تھا۔ انھوں نے اپنی طرف سے حیوانات پر تحقیق کر کے دنیا بھر کے جدید و قدیم ماھرین کو ورطئہ حیرت میں ڈال دیا ھے۔

جاحظ ایك متعصب سنی عالم ھے۔ انھوں نے شیعوں کے ساتھ مناظرے بھی کئے اور انتھا پسندی کے باعث شیعہ حضرات ان کو ناصبی بھی کھتے ھیں۔ لیکن میں ذاتی طور پر کم از کم ان کو ناصبی نھیں کھہ سکتا۔ یہ شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کا عالم ھے۔ ھوسکتا ھے اس نے امام علیہ السلام کا آخری دور پایا ھو؟ شاید یہ اس وقت بچہ ھو یا یہ بھی ھوسکتا ھے کہ امام علیہ السلام کا دور ایك نسل قبل کا دور ھو۔ کھنے کا مقصد یہ ھے کہ اس کا دور اور امام علیہ السلام ایك دوسرے کے بہت قریب ھے۔ بھر حال جاحظ امام جعفر صادق (ع) کے بارے میں اظھار خیال کرتے ھوئے لکھتا ھے کہ:

جعفر بن محمد الذی ملأ الدنیا علمہ و فقھہ

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوری دنیا کو علم و دانش اور معرفت و حکمت سے پر کردیا ہے۔"

ویقال ان ابا حنیفة من تلامذتہ و کذلك سفیان الثوری"

کھا جاتا ھے کہ جناب ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا شمار امام علیہ السلام کے شاگردان خاص میں سے ھوتا ھے

سفیان ثوری بہت بڑے فقیهہ اور صوفی ھو کر گزرے ھیں۔

میر علی ہندی کا نظریہ:

میر علی هندی همارے هم عصر سنی عالم ھیں وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اظهارے خیال کرتے هوئے لکھتے ھیں کہ

لا مشاحۃ ان انتشار العلم فی ذلك الحین قد ساعد علی فك الفكر من عقاله

علوم کا پھیلاؤ اس زمانے میں ممکن بنایا گیا اور لوگوں کو فکری آزادی ملی اور ہر طرح کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔"

فاصبحت المناقشات الفلسفیۃ عامۃ فی کل حاضرۃ من حواضر العالم الاسلامی

دنیا بھر کے اسلامی حلقوں میں علمی و عقلی اور فلسفیانہ مباحث کو رواج ملا۔

جناب هندی مزید لکھتے ھیں کہ:

ولا یفوتنا ان نشیر الی ان الذی تزعم تلك الحرکۃ ھو حفید علی ابن ابی طالب المسمی بالامام الصادق

هم سب کو یہ بات ھرگز نهیں بھولنی چاھیے کہ جس عظیم شخصیت نے دنیائے اسلام میں فکری انقلاب کی قیادت کی ھے وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پوتے ھیں اور انکا نام نامی امام صادق (ع) ھے۔"

و ھو رجل رحب افق التفکیر

وہ ایسے انسان تھے کہ جن کا افق فکری بہت بلند ھے یعنی جن کی فکری وسعت کی کوئی حد نہ تھی۔"

بعید اغوار العقل

ان کی عقل و فکر بہت گھری تھی ۔"

ملم کل المام بعلوم عصرہ

آپ اپنے عهد کے تمام علوم پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جناب هندی مزید کھتے ہیں ۔

و یعتبر فی الواقع ھو اول من اسس المدارس الفلسفیۃ المشھورۃ فی الاسلام

در حقیقت سب سے پهلے جس شخصیت نے جدید علمی مراکز قائم کیے ھیں وہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہی ہیں۔"

و لم یکن یحضر حلقتہ العلمیۃ اولئك الذین اصبحوا مؤسسی المذاهب الفقهیۃ فحسب بل کان یحضرها طلاب

الفسفة والمتفلسفون من انحاء الواسعة"

وہ کہتا ھے کہ آپ نہ صرف ابو حنیفہ جیسی بزرگ شخصیت کے استاد تھے بلکہ جدید علوم کی بھی طلبہ کو تعلیم دیا کرتے تھے گویا جدید ترقی امام علیہ السلام کی مرھون منت ھے۔

احمد زکی صالح کے خیالات:

کتاب امام صادق علیہ السلام میں آغا مظفر احمد زکی صالح ماھنامہ الرسالۃ العصریہ سے نقل کرتے ھیں کہ شیعہ فرقہ کی علمی پیشرفت تمام فرقوں سے زیادہ ھے۔ کھا جاتا ھے کہ علوم کی ترقی اور پیشرفت میں اھل ایران کا بھت بڑا عمل دخل ھے۔ یہ اس وقت کی بات ھے کہ جب ایران میں شیعوں کی اکثریت نہ تھی۔ ابھی ھم اس کے بارے میں بحث نھیں کرتے یہ پھر کبھی سھی یہ مصری لکھتا ھے:

من الجلی الواضح لدی کل من درس علم الکلام الفرق الشیعة کانت انشط الفرق الاسلامیة حرکة

کہ واضح سی بات ھے کہ ہر وہ شخص جو ذرا بھر علمی شعور رکھتا ھے وہ اس بات کا معترف ہے کہ شیعہ فرقہ کی مذھبی و علمی پیشرفت تمام فرقوں سے زیادہ ھے۔"

و کانت اولیٰ من اسس المذاھب الدینیة علی اسس فلسفیة حتی ان البعض ینسب الفلسفة خاصة بعلی بن ابی طالب

"یعنی شیعہ پہلا اسلامی مذھب ھے کہ جو دینی مسائل کو فکری و عقلی بنیادوں پر حل کرتا ہے۔ شیعہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں مختلف علوم کو عقلی و فکری لحاظ سے پرکھا جاتا تھا۔ اس کی بھترین دلیل یہ ھے کہ اھل تسنن کی احادیث کی ان کتابوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد و صحیح نسائی) میں صرف اور صرف فروعی مسائل کو پیش کیا گیا ھے۔ دوسرے لفظوں میں بتایا گیا ھے کہ وضو کے احکام یہ ھیں، نماز کے مسائل کچھ اس طرح کے ھیں۔ روزہ، حج، جھاد، وغیرہ کے احکام یہ ھیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلام (ص) نے سفر میں اس طرح عمل فرمایا ھے لیکن آپ اگر شیعہ کی احادیث کی کتب کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے شیعہ احادیث میں سب سے پھلے عقل و جھل کے بارے میں گفتگو کی گئی ھے، لیکن اھل سنت حضرات کی کتب میں اس طرح کی باتیں موجود نھیں ہیں۔ میں یہ کھنا چاھتا ھوں کہ اس کی بنیاد صرف امام جعفر صادق علیہ السلام ھیں، بلکہ امام صادق علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اس میں تمام آئمہ طاھرین علیھم السلام کی کوشش بھی شامل ھیں۔ اس کی اصل بنیاد تو خود حضرت پیغمبر اکرم (ص) کی ذات گرامی ھے۔ اس عظیم مشن کا آغاز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا اور اسے آگے آل محمد (ص) نے بڑھایا ھے۔

چونکہ امام جعفر صادق (ع) کو کام کرنے کا خوب موقعہ ملا ہے اس لیے آپ نے اپنے آباءو اجداد کی علمی میراث کو کما حقہ محفوظ رکھا ہے۔ اور اس عظیم ورثہ کو قیامت تك آنے والی نسلوں کیلئے ثمر آور بنادیا۔
ھماری احادیث کی کتب میں کتاب العقل والجھل کے بعد کتاب التوحید آتی ھے۔ ھمارے پاس توحید الٰھی کے بارے میں ہزاروں مختلف احادیث موجود ھیں۔ ذات خداوندی، معرفت الٰھی، قضاء و قدر، جبر و اختیار سے

متعلق ملت جعفریہ کے پاس نہ ختم ہونے والا ذخیرہ احادیث موجود ہے۔ شیعہ قوم فخر سے کہہ سکتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور ہمارے جلیل القدر دیگر آئمہ طاھرین نے جتنا ھمیں دیا ھے اتنا کسی اور پیشوا نے اپنی ملت کو نہیں دیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فکری، علمی اور عقلی و نظریاتی لحاظ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے نئے علوم کی بنیاد رکھ کر بنی نوع انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

جابر بن حیان:

ایک وقت ایسا آیا کہ ایک نئی اور حیرت انگیز خبر نے پوری دنیا کو ورطئہ حیرت میں ڈال دیا وہ تھی جابر بن حیان کی علمی دنیا میں آمد ۔ تاریخ اسلام کے اس عظیم ھیرو کو جابر بن حیان صوفی بھی کہا جاتا ہے۔ اس دانائے راز نے علمی انکشاف اور سائنسی تحقیقات کے حوالے سے ایک نئی تاریخ رقم کر کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ابن الندیم نے اپنی مشہور کتاب الفھرستمیں جناب جابر کو یاد کرتے ہوئے لکھا ھے کہ جابر بن حیان ایک سو پچاس علمی وفلسفی کتب کے مصنف و مؤلف ہیں۔ کیمسٹری جابر بن حیان کے فکری احسانات کا صلہ ہے۔ ان کو کیمسٹری کی دنیا میں باپ اور بانی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ابن الندیم کے مطابق جناب جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دستر خوان علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔

ابن خلکان ایک سنی مصنف ہے۔ وہ جابر بن حیان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کیمسٹری کا یہ بانی امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگر تھا۔ دوسرے مورخین نے بھی کچھ اس طرح کی عبارت تحریر کی ھے۔ لطف کی بات یہ ھے کہ جن جن علوم کی جناب جابر نے بنیاد رکھی ھے وہ ان سے پہلے بالکل وجود ھی نہ رکھتے تھے۔ پھر کیا ھوا کہ جابر بن حیان نے نئی نئی اختراعات ایجاد کر کے جدید ترین دنیا کو حیران کر دیا۔ اس موضوع پر اب تک سینکڑوں کتابیں اور رسالہ جات شائع ہو چکے ہیں۔ دنیا بھر کے سائنسدان اور ماہرین نے جناب جابر کی جدید علمی خدمات کو بیحد سراھتے ہوئے کہا ھے کہ اگر جابر نہ ہوتے تو پوری انسانیت اتنے بڑے علم سے محروم رھتی۔ ایران کے ممتاز دانشور جناب تقی زادہ نے جابر بن حیان کی علمی ودینی خدمات پر انھیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ھے۔ میرے خیال میں جابر کے متعلق بہت سی چیزیں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ تعجب کی بات یہ ھے کہ شیعہ کتب میں بھی جناب جابر جیسے عظیم ہیرو کا تذکرہ بھت کم ھوا ہے۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ علم رجال اور حدیث کی کتابوں میں اسی بزرگ ھستی کا نام کھیں پہ استعمال نہیں ھوا۔ ابن الندیم شائد شیعہ ہو اس لئے انھوں نے جناب جابر کا نام اور تذکرہ خاص اھتمام اور احترام کے ساتھ کیا ھے۔ یہ ایک حقیقت ھے کہ پوری دنیا کو بالآخر ماننا پڑا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس طرح لائق و فائق علماء تیار کئے ہیں اتنے اور کسی مذھب نے پیشوا نہیں کئے۔

ھشام بن الحکم:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک اور معروف شاگرد کا نام ھشام بن الحکم ھے۔ یہ شخص واقعتاً نابغہ روزگار ھے، اپنے دور کے تمام دانشوروں پر ھمیشہ ان کو برتری حاصل رھی ھے۔ آپ جب بھی کسی موضوع پر بات چیت کرتے تو سننے والوں کو مسحور کر دیتے۔ اس مرد قلندر کی زبان میں عجیب تاثیر تھی۔ جناب ھشام سے بڑے بڑے علماء آکر شوق وذوق کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے اور سمندر علم کی جولانیوں اور طوفان خیزیوں کو دیکھ کر وہ اپنے اندر ایک خاص قسم کا اطمینان و سکون حاصل کرتے۔ یہ سب کچھ میں اھل سنت

بھائیوں کی کتب سے پیش کر رہا ھوں۔ ابو الھزیل علاف ایك ایرانی النسل دانشور تھے۔ آپ علم کلام کے اعلیٰ پایہ کے ماھر تسلیم کیے جاتے تھے۔ شبلی نعمانی تاریخ علم کلام میں لکھتا ھے کہ ابو الھزیل کے مقابلے میں کوئی شخص بحث نھیں کرسکتا تھا۔ لیکن یھی ابو الھزیل ھشام بن الحکم کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ جناب ھشام نے جدید علوم میں جدید تحقیق کو رواج دیا۔ آپ نے طبعیات کے بارے میں ایسے ایسے اسرار و رموز کو بیان کیا ھے کہ وہ لوگوں کے وھم و خیال میں بھی نہ تھے۔ ان کا کھنا ھے کہ رنگ و بو انسانی جسم کا ایك مستقل جزو ھے اور وہ ایك ایسی چیز ھے جو فضا میں پھیل جاتی ھے۔

ابو الھزیل ھشام کے شاگردوں میں سے تھا اور وہ اکثر اپنی علمی آراء میں اپنے استاد محترم جناب ھشام کا حوالہ ضرور دیا کرتے تھے۔ اور ھشام امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی پر نہ فقط فخر کیا کرتے تھے بلکہ خود کو "خوش نصیب" کھا کرتے تھے۔ جیسا کہ ھم نے پھلے عرض کیا ھے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تعلیم و تربیت اور تھذیب و تمدن کے فروغ اور احیاء کے لیے شب و روز کام کیا۔ فرصت کے لمحوں کو ضروری اور اھم کاموں پر استعمال کیا، چونکہ ھمارے آئمہ میں سے کسی کو کام کرنے کا موقعہ ھی نہ دیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام واحد ھستی ھیں کہ جنھوں نے بہت کم عرصے میں صدیوں کا کام کر دکھایا۔ پھر امام رضا علیہ السلام کو بھی علمی و دینی خدمات کے حوالے سے کچھ کام کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ ان کے بعد فضا بدتر ھوتی چلی گئی، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور انتھائی مصیبتوں، پریشانیوں اور دکھوں کا دور ھے۔ آپ پر حد سے زیادہ پابندیاں عائد کر دی گئیں، بغیر کسی وجہ اور جرم و خطا کے آپ کو زندگی بھر زندانوں میں رہ کر اسیرانہ زندگی بسر کرنی پڑی۔

ان کے بعد دیگر آئمہ طاھرین علیھم السلام عالم جوانی میں شھید کر دیئے گئے۔ ان کا دشمن بھی کتنا بزدل تھا کہ اکثر کو زھر کے ذریعہ شھید کر دیا گیا۔ ان پر عرصہ حیات ا س لیے تنگ کر دیا تھا کہ وہ علم و عمل کے فروغ اور انسانیت کی فلاح و بھبود کے لیے کام نہ کر سکیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایك تو کام کرنے کا موقع مل گیا دوسرا آپ نے عمر بھی لمبی پائی تقریباً ستر سال تك زندہ رھے۔

اب یہ صورت حال کس قدر واضح ھو گئی ھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ادوار میں کتنا فرق تھا؟ امام عالی مقام علیہ السلام کو ذرا بھر کام کرنے کا موقعہ نہ مل سکا، یعنی حالات ھی اتنے نا گفتہ بہ تھے کہ مصیبتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے سخت پریشان رھے۔ پھر انتھائی بے دردی کے ساتھ آپ کو شھید کر دیا گیا، لیکن آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی مظلومیت نے پوری دنیا میں حق و انصاف کا بول بالا کر دیا اور ظالم کا نام اور کردار ایك گالی بن کر رہ گیا۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے دو ہی صورتیں تھیں ایك یہ کہ آپ خاموش ھو کر بیٹھ جاتے اور عبادت کرتے دوسری صورت وہی تھی جو کہ آپ نے اختیار کی، یعنی میدان جھاد میں اتر کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو حالات و واقعات نے کام کرنے کا وقت اور موقعہ فراھم کر دیا۔ شھادت تو آپ کو نصیب ھونی تھی۔ آپ کو جو نھی موقعہ ملا آپ نے چھار سو علم کی شمعیں روشن کر کے جگہ جگہ روشنی پھیلا دی۔ علم کی روشنی اور عمل کی خوشبو نے ظلمت و جھالت میں ڈوبے ھوئے معاشرے کو از سر نو زندہ کر کے اسے روشن و منور کر دیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ھے کہ آئمہ اطھار (ع) کی زندگی کا مقصد اور مشن اور طریقہ کار ایك جیسا ھے۔ دوسرے لفظوں میں اگر امام صادق علیہ السلام نہ ھوتے تو امام حسین علیہ

السلام بهی نہ ھوتے۔ اسی طرح امام حسین (ع) نہ ھوتے تو امام صادق (ع) نہ ھوتے۔ یہ ھستیاں ایك دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ظلم اور باطل کے خلاف جہاد کرتے ھوئے شہادت پائی۔ پھر آنے والے آئمہ اطہار (ع) نے ان کے فلسفہ شہادت اور مقصد قیام کو عملی لحاظ سے پایہ تکمیل تك پهنچایا۔

امام جعفر صادق (ع) نے اگر چہ حکومت وقت کے خلاف علانیہ طور پر جنگ شروع نہیں کی تھی۔ لیکن یہ بھی پوری دنیا جانتی ھے کہ آپ حکام وقت سے نہ فقط دور رھے بلکہ خفیہ طور پر ان کے ساتھ بھر پور مقابلہ بھی کیا۔ ایك طرح کی امام علیہ السلام سرد جنگ لڑتے رھے۔ آپ (ع) کی وجہ سے اس وقت کے ظالم حکمرانوں کی ظالمانہ کاروائیوں کی داستانیں عام ھوئیں اور ان کی آمریت کا جنازہ اس طرح اٹھا کہ مستحق لعن و نفریں ٹھہرے، یھی وجہ ھے کہ منصور کو مجبور ھو کر کہنا پڑا کہ:

"ھذا الشجی معترض فی الحلق"

کہ جعفر بن محمد میرے حلق میں پھنسی ھوئی ہڈی کے مانند ہیں۔ میں نہ ان کو باہر نکال سکتا ھوں اور نہ نگلنے کے قابل رہا ھوں نہ میں ان کا عیب تلاش کرکے ان کو سزادے سکتا ھوں، اور نہ ان کو برداشت کرسکتا ھوں۔"

یہ سب کچھ دیکھتے ھوئے کہ وہ جو کچھ بھی کر رھے ھیں وہ ھمارے خلاف ھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔برداشت کر رھا ھوں۔ مجھے پتہ ھے کہ امام علیہ السلام نے ھمارے خلاف لوگوں کو ایك نہ ایك دن اکٹھا کر ھی لینا ھے۔ اس کے باوجود بھی میں اتنا بے بس ھوں کہ ان کے خلاف ذرا بھر اقدام نہیں کرسکتا۔

اس سے پتہ چلتا ھے کہ امام علیہ السلام نے اپنی حسن سیاست اور بہترین حکمت عملی کی بدولت اپنے مکار، عیار اور با اختیار دشمن کو بے بس کیے رکھا۔ ھم سب پر لازم ھے کہ اپنے دشمنوں، مخالفوں کے مقابلے میں ھمہ وقت تیار ھیں۔ ھوشیاری و بیداری کے ساتھ ساتھ ھمارا قومی و ملی اتحاد بھی وقت کی اھم ضرورت ھے۔ ھمارا بزدل دشمن گھات لگائے بیٹھا ھے۔ وہ کسی وقت بھی ھمیں نقصان پہنچا سکتا ھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جارھا ھے۔ طاقت و غلبہ کے تصور کی اھمیت بڑھتی جارھی ھے۔ خوش نصیب ھیں وہ لوگ جو وقت کی نبض تھام کر سوچ سمجھ کر آگے بڑھتے ھیں اور پھر بڑھتے چلے جاتے ھیں۔

علمی پیشرفت کے اصل محرکات:

جیسا کہ ھم نے پہلے بھی عرض کیا ھے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں غیر معمولی طور پر ترقی ھوئی ھے۔ معاشرہ میں فکر و شعور کو جگہ ملی گویا سوئی ھوئی انسانیت ایك بار پھر پوری توانائی کے ساتھ جاگ اٹھی، بحثوں، مذاکروں اور مناظروں کا سلسلہ شروع ھو گیا تھا۔ انھی مذاکرات سے اسلام کو بہت زیادہ فائدہ ھوا، علمی ترقی اور پیشرفت کے تین بڑے محرکات ھمیں اپنی طرف متوجہ کرنے ھیں۔ پھلا سبب یہ تھا کہ اس وقت پورے کا پورا معاشرہ مذھبی تھا۔ لوگ مذھبی و دینی نظریات کے تحت زندگی گزار رھے تھے۔

پھر قرآن و حدیث میں لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ لوگوں سے کھا گیا تھا کہ جو جانتے

ھیں وہ نہ جاننے والوں کو تعلیم دیں، حسن تربیت کی طرف بھی اسلام نے خصوصی توجہ دی ھے۔ یہ محرک تھا کہ جس کی وجہ سے علم و دانش کی اس عالمگیر تحریك کو بہت زیادہ ترقی ھوئی۔ دیکھتے ھی دیکھتے قافلے کے قافلے اس کا رواں علم میں شامل ھو گئے۔ دوسرا عامل یہ تھا کہ مختلف قوموں، قبیلوں، علاقوں اور ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان افراد کو تحصیل علم سے خاص لگاؤ تھا۔ تیسرا محرك یہ تھا کہ اسلام کو ھی وطن قرار دیا گیا یعنی جھاں اسلام ھے اس شھر، علاقے اور جگہ کو وطن سمجھا جائے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ھوا کہ اس وقت جتنے بھی ذات پات اور نسل پرستی تصورات تھے وہ اسی وقت دم توڑ گئے۔ اخوت و برادری کا تصور رواج پکڑنے لگا۔ ایك وقت ایسا بھی آیا کہ اگر استاد مصری ھے تو شاگرد خراسانی یا شاگرد مصری ھے تو استاد خراسانی، ایك بھت بڑا دینی مدرسہ تشکیل دیا گیا۔ آپ کے حلقہ درس میں نافع، عکرمہ جیسے غلام بھی درس میں شرکت کرتے ھیں، پھر عراقی، شامی، حجازی، ایرانی، اور ھندی طلبہ کی رفت و آمد شروع ھو گئی۔ دینی ادارے کی تشکیل سے لوگوں کا آپس میں رابط بڑھا اور اس سے ایك ھمہ گیر انقلاب کا راستہ ھموار ھوا۔ اس زمانے میں مسلم، غیر مسلم ایك دوسرے کے ساتھ رھتے۔ رواداری کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی کسی کے خلاف کوئی بات نھیں کرتا تھا۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری موجود تھے۔ وہ مسلمانوں اور ان کے علماء کا دلی طور پر احترام کرتے بلکہ غیر مسلم مسلمانوں کے علم و تجربہ سے استفادہ کرتے۔ پھر کیا ھوا؟ کہ دوسری صدی میں مسلمانوں کی اقلیت اکثریت میں بدل گئی۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ روداری کا مظاھرہ کرنا کافی حد تك مفید ثابت ھوا۔ حدیث میں بھی ھے کہ اگر آپ کو کسی علم یا فن کی ضرورت پڑے اور مسلمانوں کے پاس نہ ھو تو وہ غیر مسلم سے بھی حاصل کر سکتے ھیں۔ نھج البلاغہ میں اس چیز کی تاکید کی گئی ھے اور علامہ مجلسی (رح) نے بحار میں تحریر فرمایا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ھے کہ:

"خذوا الحكمة و لو من مشرك"

یعنی اگر آپ کو مشرك سے بھی علم و حکمت حاصل کرنا پڑے تو وہ ضرور حاصل کریں۔

اور ایك حدیث میں ھے کہ:

"الحكمة ضالة المؤمن ياخذها اينما وجدها"

یعنی حکمت مومن کا گم کردہ خزانہ ھے اس کو حاصل کرو چاہے جھاں سے بھی ملے۔

بعض جگھوں میں یہ بھی کھا گیا ہے کہ:

"و لو من يد مشرك"

کہ خواہ پڑھانے والا مشرك ہی کیوں نہ ھو۔"

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ھے:

يؤتی الحكمة من يشاء ومن يوت الحكمة فقد اوتی خيراً كثيرا۔

بقرہ، 269.

اور جس کو (خدا کی طرف سے) حکمت عطا کی گئی تو اس میں شك ہی نھیں کہ اسے خوبیوں کی بڑی دولت ہاتھ لگی۔

واقعاً صحیح ھے کہ علم مومن کا گمشدہ خزانہ ھے اگر انسان کی کوئی چیز گم ھو جائے تو وہ اس کے لئے کتنا پریشان ھوتا ھے اور ا س کو کس طرح تلاش کرتا ھے۔ مثال کے طور پر آپ کی ایك قیمتی انگوٹھی ھو اگر وہ گم ھو جائے، تو آپ جگہ جگہ چھان ماریں گے اور اگر وہ آپ کو مل جائے توبہت زیادہ خوشی ھوگی۔ علم سے زیادہ قیمتی چیز کونسی ھو سکتی ہے اس کو تلاش کرنے اور طلب کرنے کیلئے انسان کو اتنی محنت کرنی چاھیے۔
اس کے لیے ضروری نھیں ھے کہ تعلیم دینے والا اور فن سیکھانے والا مومن و مسلمان ہی ھو، بلکہ آپ علوم اور جدید ٹیکنالوجی کافروں، مشرکوں سے بھی حاصل کر سکتے ھیں۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے "مومن علم کو کافر کے پاس عارضی مال کے طور پر دیکھتا ھے اور خود کو اس کا اصلی مالك سمجھتا ھے" اور وہ خیال کرتا ھے کہ علم کا لباس مومن ہی کو جچتا ہے کافر کو نہیں۔

جیسا کہ ھم نے پہلے عرض کیا ھے کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوك کرنا اس بات کا سبب بنا کہ وہ تحقیق و تلاش کرتے ھوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ایك وقت تھا کہ مسلمان، عیسائی، یھودی، مجوسی وغیرہ سب ایك جگہ، ایك شھر، ایك محلّہ میں رھتے تھے۔ وہ انتھا پسندی کا مظاھرہ کرنے کی بجائے ایك دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ بات پورے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوئی۔ مشہور مور خ جرجی زیدان نے اس وسعت قلبی کو انسانی معاشرہ بالخصوص مسلمانوں کے لیے نیك شگون قرار دیا ھے۔ وہ سید رضی کے واقعہ کو نقل کرتے ھوئے لکھتا ھے کہ سید رضی اپنے دور کے بہت بڑے عالم دین تھے بلکہ غیر معمولی طور پر درجہ اجتھاد پر فائز تھے۔ آپ سید مرتضی علم الھدی کے چھوٹے بھائی تھے جب ان کے ہم عصر عالم دین ابو اسحاق صابی نے انتقال کیا تو رضی نے ان کی شان مین ایك قصیدہ کھا۔ ابو اسحاق صابی مسلمان نہ تھے یہ مجوسی فرقے سے ملتے جلتے خیالات کے حامل تھے۔ یہ بھی ھو سکتا ھے کہ وہ عیسائی ھوں۔ یہ اعلی پایہ کے ادیب، ممتاز دانشور تھے۔ ادیب ھونے کے ناطے سے قرآن مجید سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں قرآن مجید کی متعدد آیات کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ ماہ رمضان میں دن کو کوئی چیز نھیں کھاتے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ ایك غیر مسلم ہیں تو رمضان میں دن کو کھاتے پیتے کیوں نھیں ہیں تو کھا کرتے تھے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم افراد معاشرہ کا احترام کرتے ہوئے ان کی مذھبی اقدار کا احترام کریں چنانچہ سید رضی نے کھا۔

ارایت من حملوا علی الاعواد

ارایت کیف خبا ضیاء النادی

کیا آپ نے دیکھا کہ یہ کون شخص تھا کہ جس کو لوگوں نے تابوت میں رکھ کر اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا؟ کیا آپ نے سمجھا ھے کہ ھماری محفلوں کا چراغ بجھ گیا ھے؟ یہ ایك پہاڑ تھا جو گرگیا کچھ لوگوں نے سید رضی پر اعتراض کیا کہ آپ ایك سید، اولاد پیغمبر اور بزرگ عالم دین ھوتے ھوئے ایك کافر کی تعریف کی ھے؟ فرمایا جی ہاں:

"انما رثیت علمه"

که میں نے اس کے علم کا مرثیه کہا ہے۔"

وہ ایك بہت بڑا عالم تھا، دانشمند تھا میں نے اس پر اس لیے مرثیه کہا که اہل علم ہم سے جدا ہو گیا هے، اگر اس زمانے میں ایسا کیا جائے تو لوگ اس عالم کو شہر بدر کردیں گے۔ جرجی زیدان کہتا هے که ایك جلیل القدر عالم دین نے حسن اخلاق اور رواداری کا مظاهرہ کر کے اپنی خاندانی عظمت اور اسلام کی پاسداری کا عملی ثبوت دیا هے۔ سید رضی حضرت علی علیه السلام کے ایك لحاظ سے شاگر تھے۔ که انهوں نے مولا امیر المومنین علیه السلام کے بکھرے هوئے کلام کو جمع کر کے نهج البلاغه کے نام سے ایك ایسی کتاب تالیف کی که جسے قرآن مجید کے بعد بہت زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا هے۔ سید رضی اپنے جد امجد پیغمبر اسلام (ص) اور حضرت علی علیه السلام کی تعلیمات سے بهت زیادہ قریب تھے۔ اسی لیے تو کهتے هیں که علم و حکمت جهاں کهیں بهی ملے اسے لے لو۔ یه تھے وہ محرکات که جن کی وجه سے لوگوں میں فکری و نظریاتی اور شعوری طور پر پختگی پیدا هوئی اور تعلیم و تربیت، علم و عمل کے حوالے سے جتنی بهی ترقی هے یه سب کچھ حضرت امام جعفر صادق علیه السلام کی مهربانیوں کا نتیجه هے۔ پس ہماری گفتگو کا نتیجه یه هوا که اگر چه امام جعفر صادق علیه السلام کو ظاهری حکومت نهیں ملی اگر مل جاتی تو آپ اور بهی بہتر کارنامے انجام دیتے لیکن آپ کو جس طرح اور جیسا بهی کام کرنے کا موقعه ملا آپ نے کوئی لمحه ضائع کئے بغیر بے شمار قابل ستائش کام کیے۔ مجموعی طور پر هم کهه سکتے هیں که مسلمانوں کے جتنے بهی علمی و دینی کارنامے تاریخ میں موجود ہیں وہ سب صادق آل محمد علیه السلام کے مرہون منت ہیں۔

شیعه تعلیمی مراکز تو روز روشن کی طرح واضح هیں۔ اهل سنت بهائیوں کے تعلیمی و دینی مراکز میں امام علیه السلام کے پاك و پاکیزہ علوم کی روشنی ضرور پهنچی هے۔ اہل سنت حضرات کی سب سے بڑی یونیورسٹی الازہر کو صدیوں قبل فاطمی شیعوں نے تشکیل دیا تھا اور جامعه ازهر کے بعد پھر اهل تسنن کے مدرسے اور دینی ادارے بنتے چلے گئے۔ ان لوگوں کے اس اعتراض (که امام علیه السلام میدان جنگ میں جهاد کرتے تو بهتر تھا؟) کا جواب هم نے دے دیا ہے ان کو یه بات بهی بغور سننی چاهیے که اسلام جنگ کے ساتھ کبهی نهیں پهیلا بلکه اسلام تو امن و سلامتی کا پیامبر هے۔ مسلمان تو صرف دفاع کرنے کا مجاز هے، آپ اسے جهاد کے نام سے بهی تعبیر کر سکتے هیں۔ امام علیه السلام کی حلم و بردباری اور حسن تدبر نے نه فقط ماحول کو خوشگوار بنایا بلکه لوگوں کو شعور بخشا، علم جیسی روشنی سے مالا مال کر دیا، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و رفعت میں اضافه هوا۔

باقی رہا یه سوال که آئمه طاهرین (ع) عنان حکومت هاتھ میں لے کر اسلام اور مسلمانوں کی بخوبی خدمت کر سکتے تھے انهوں نے اس موقعه سے فائدہ نهیں اٹھایا پر امن رہنے کے باوجود بهی ان کو جام شهادت نوش کرنا پڑا؟

تو اس کا جواب یه ہے که حالات اس قدر بهی سازگار و خوشگوار نه تھے که آئمه اطهار (ع) کو حکومت و خلافت مل جاتی؟ امام علیه السلام نے حکمرانوں سے ٹکرانے کی بجائے ایك اہم تعمیری کام کی طرف توجه دی۔ علماء فضلاء، فقهاء اور دانشور تیار کر کے آپ نے قیامت تك کے انسانوں پر احسان عظیم کر دیا۔ وقت وقت کی بات ہے

آئمہ طاهرین علیهم السلام نے هر حال، ہر موقعہ پر اسلام اور مظلوم طبقہ کی بھر پور طریقے سے ترجمانی کی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کو مامون کی مجلس میں جانے کا موقعہ ملا آپ نے سرکاری محفلوں اور حکومتی میٹنگوں میں حق کی کھل کر ترجمانی کی اور جیسے بھی بن پڑا غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کی۔ امام رضا علیہ السلام دو سال تك مامون کے قریب رهے۔ اس دور میں آپ سے کچھ نہ کچھ احادیث نقل کی گئیں اس کے بعد آپ کی کوئی حدیث نظر نهیں آتی۔ دوسرے لفظوں میں مامون کے دور میں آپ کو دین اسلام کی ترویج کیلئے کام کرنے کا موقعہ ملا اس کی وجہ مامون کی قربت ہے اس کے بعد پابندیوں کا دور شروع ہو گیا۔ آپ جو کرنا چاہتے تھے وہ بندشوں اور رکاوٹوں کی نظر ہو گیا۔ پھر آپ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ جو آپ کے باپ دادا کے ورثہ میں شامل تھا۔

التماس دعا